

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الْيَقِينُ لَوْ تَابَ الْمُؤْمِنُونَ لَمَنْ أُنْفُسَهُمْ

# العقائد الصالحة



ترجمہ از تصنیف

عبد السالکین عمدة العارفين محي السنة ماعی السبعة ثانی الألف ثانی

حضرت مولانا درشنا خواجہ حاجی حافظ محمد حسن جان صاحب

مجددی نقشبندی فاروقی قدس سرہ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى النَّبِيُّ أَوْ إِلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَلْفِ سَهْدٍ

# العقائد الصحيحة

ترجمہ از تصنیف

زبدۃ السالکین عمدۃ العارفين معی السنۃ ماحی البدعۃ ثانی الألف ثانی  
حضرت مولانا دمرشانا خواجہ حاجی حافظ محمد بن جان صاحب  
مجددی نقشبندی قادری قدس اللہ سرہ

حسب حکم

عالی جناب حضرت بابرکت مولانا دمرشانا آغا حاجی عبدالحمید جان صاحب  
مجددی فاروقی نقشبندی منظرہ العالی سجادہ نشین درگاہ  
مندرہ سائیندرا دضلع حیدرآباد سندھ

ابو محمد مجددی

حاجی ڈاکٹر عبدالقادر جتوئی

رفیق احمد جتوئی

B - 8 صدیق کورٹس

باتھ آفلیمنڈ - کراچی



# درود فاطمة الزهرا

## رضی اللہ عنہا

یہ لا جواب درود ہے فضائل بیان کرنا ممکن نہیں۔ حضرت خاتون جنت سیدۃ نساء فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے۔ اس درود پاک کو پڑھنے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ان گنت ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے قریب تر ہونے کے لیے یہ درود ایک اعلیٰ درجہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ رُوحُهُ مُحَرَّابُ الْأَرْوَاحِ وَ  
 الْمَلَائِكَةِ وَالْكُوفِ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ هُوَ  
 إِمَامُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ  
 هُوَ إِمَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عِبَادِ اللَّهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

۱	تعارف	۱۷
۲	دیباچہ	۱۹
۳	توحید	۲۸
۴	منصب رسالت	۳۲
۵	امت محمدؐ کا ۷۳ فرقہ بننا	۳۴
۶	قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان	۴۰
۷	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہونا	۴۷
۸	ایصال ثواب	۵۸
۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت و بشریت	۶۲
۱۰	غیر اللہ کی تعظیم	۶۷
۱۱	مردوں کا مستنا	۷۰
۱۲	بارگاہ الہی میں وسیلہ لینا	۷۲
۱۳	غائب کو بلانا	۷۵
۱۴	صالحین کے مقبروں کی زیارت	۷۸
۱۵	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا	۸۵
۱۶	مزارات اولیاء پر عرس	۸۷
۱۷	میلاد النبیؐ	۸۹
۱۸	نماز میں حضور علیہ السلام	۹۲
۱۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کیساتف تعظیمی لفظ "سیدنا" بڑھانا	۹۴
۲۰	خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا	۹۵
۲۱	معاذ اللہ، خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا	۹۷
۲۲	اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا	۹۸
۲۳	بچوں کے نام، انبیاء و اولیاء سے منسوب کرنا	



# تعارف

صائب کا سلسلہ جو ۲۷ پشتوں سے خلیفہ ثانی حضرت عسر  
ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی  
قدس اللہ سرہ (جنکی پیدائش ۳۲ پشت میں ہوئی) سے لیکر حضرت خواجہ عبدالحمید  
مدظلہ العالی تک نیچے دیا گیا ہے۔ جس میں محترم حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے  
کا نام نمبر دار لکھا ہوا ہے۔

تاریخ وصال	نام	قیوم رحمانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرنیدی
۱۰۳۷ھ	سرنیدی	قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم (۱) (اول) عمرو الوثقی
۱۰۴۹ھ	"	قیوم زمان حضرت خواجہ محمد صبغة اللہ
۱۱۲۲ھ	"	قدوة العالمین حضرت خواجہ محمد اسماعیل شہید
۱۱۲۶ھ	"	غوث الاغواث حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی
۱۱۶۱ھ	"	قدوة الاولیاء حضرت شاہ غلام محمد
۱۱۶۸ھ	پشاور	قدوة العارفین حضرت شاہ غلام حسن پشاور
۱۲۰۴ھ	"	قیوم جہاں حضرت شاہ غلام نبی قندھاری
۱۲۲۶ھ	قندھار	قلب زمان حضرت شاہ فضل اللہ
۱۲۳۸ھ	"	قدوة السالکین حضرت شاہ عبدالقیوم
۱۲۶۱ھ	"	سراج الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمان جان
۱۳۱۵ھ	گجگوٹ	

مزار شریف  
گنجوہ مکہ (نزدیک آباد  
سندھ)

تاریخ وصال

۲۷ رجب ۱۲۶۵ھ

نام

زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جان ثانی الاثنتانی  
قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبداللہ جان المعروف

۳ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ

حضرت شاہ آغا

۲۷ شعبان ۱۲۹۷ھ

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جان

حضرت خواجہ حاجی عبد الحمید جان منظرہ العالی اس وقت مسند نشین

ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ حاجی عبدالوحید جان مورو کے دینی مدرسہ  
میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

نوٹ:- حضرت امام ربانیؒ مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد آپ

کی اولاد امجاد پہلی سے چوتھی پشت تک سرسبز شریف (ریاست پٹیاہ) میں  
مقیم رہیں۔ پانچویں سے نویں پشت تک پشاور اور قندھار میں مقیم رہیں۔ اور  
دسویں پشت سے سندھ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی درگاہ ٹنڈو محمد خان کے  
قریب ایک چھوٹے سے گاؤں (ٹنڈو سائیں داد) میں واقع ہے۔

سراج الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمان جانؒ کی سندھ میں آمد:

جب افغانستان میں امیر ایوب خان اور امیر عبدالرحمان کے درمیان  
تخت کیلئے جنگ چھڑی اس وقت عام مسلمان امیر ایوب خان کی طرف تھے۔ اور  
انگریز امیر عبدالرحمان کی طرف تھے۔ جنگ میں ایوب خان کو شکست ہوئی  
اور وہ ملک چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

امیر عبدالرحمان کے تخت پر بیٹھے بنی غازیوں پر بڑے ظلم و ستم کیے  
گئے۔ اکثر بہادر سردار قتل کر دیئے گئے۔ اس لیے بہت سے مہاجرین افغانستان  
سے ہجرت کر گئے۔ حضرت خواجہ عبدالرحمانؒ بھی ان ہی غازیوں میں شامل تھے۔



جنہوں نے اپنے وطن کو خیر یاد کہا۔

سندھ میں پہلے بھی آپ کے بہت سے مریدین و معتقدین تھے۔ جن کے پاس ویسے ہی آپ ہمیشہ آتے رہتے تھے۔ افغانستان چھوڑنے کے بعد آپ نے ریاست قلات کے رئیس فقیر محمد متوفی کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد میانمار میں مولوی حامد اللہ اور ملا عبدالحکیم کے پاس کچھ دن قیام کرنے کے بعد گرمی طہین میں رئیس اعظم عطاء اللہ خان کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد مٹیاری میں تشریف لائے۔ جہاں آپ کے بہت زیادہ مرید تھے۔

ہر جگہ پر مریدوں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے پاس رہیں۔ لیکن آپ نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ ہم یہاں رہنے کیلئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا عربستان جانے کا ارادہ ہے۔ مٹیاری میں آپ کے مخلص مرید میران محمد شاہ اول (مکھڑی) نے بہت زیادہ اصرار کیا۔ کہ مکھڑی میں چل کر رہیں۔ حضرت صاحب نے شاہ صاحب کی گزارش قبول فرمائی اور مکھڑی میں تشریف فرما ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال مکھڑی میں قیام کرنے کے بعد عربستان تشریف لے گئے۔ وہاں پانچ سال گزارنے کے بعد سن ۱۳۱۵ھ میں مکھڑی واپس تشریف لائے۔

مکھڑی میں آپ کی تشریف آوری سے مکھڑی کا چھوٹا سا گاؤں روحانیت اور معرفت کا مرکز بن گیا۔ ہند، سندھ اور کابل قندھار کے لوگ آپ سے فیض حاصل کرنے کیلئے بڑی مسافت طے کر کے مکھڑی پہنچتے تھے۔ آپ کی صحبت میں ہزاروں راہ حق کے متلاشی اپنی منزل تک پہنچے اور واصل باللہ ہو گئے آپ کا فیض اب بھی جاری و ساری ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے تقریباً دس سال مکھڑی میں گزارنے کے بعد ۱۳۱۵ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک گنجو مکھڑی کے دامن میں مکھڑی سے تین میل شمال مشرق

میں واقع ہے۔

## زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ

حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ اپنے والد صاحب کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ ایک سال کا عرصہ ٹکھڑ میں گزارا۔ ۱۲۱۶ھ میں ٹکھڑ کو چھوڑ کر ٹکھڑ و سائنداد میں مستقل سکونت اختیار کی اور آج تک آپ کی درگاہ اس قصبے میں ہے۔ جناب حضرت قبلہ گاہم قدس سرہ کی ولادت باسعادت بتاریخ ۶ شوال ۱۲۷۸ھ کو قندھار میں ہوئی۔ آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت آپ کے والد ماجد نے کی۔ جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور ولی اللہ تھے۔ اس کے بعد دو سال تک مٹیار می کے مشہور مولوی لال محمد صاحب سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی اور پانچ سال عرب میں جا کر اس وقت کے ممتاز عالم حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کے پاس مدرسہ ”صولتیہ“ میں اپنے علم کی تکمیل کی اور مکہ مکرمہ کے مفتی شیخ احمد زینی دحلان سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور روایت صحاح ستہ کی اجازت بھی ان سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ تھوڑے عرصے میں بائیس پارے مکہ شریف میں حفظ کیے اور باقی آٹھ پارے ٹکھڑ میں آنے کے بعد حفظ کیے۔

آپ کی عمر مبارک ۸۷ سال تھی۔ اس مدت میں پانچ مرتبہ حج مبارک کرنے کی سعادت پائی۔ سات مسجدیں تعمیر کرائیں۔ گیارہ مدرسے قائم کیے۔ اور باوجود اپنی عظیم الفرستی کے آپ تبحر علمی اور تصنیف و تالیف دینیہ میں اس قدر دسترس رکھتے تھے کہ آپ کی مختلف تصانیف آپ کے حیات مبارک میں ہی بہت مقبول عام و خواص ہوئیں۔ اور ان کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع



ہوئے۔ آپ نے تقریباً پچیس<sup>۲۵</sup> کتابیں اور اُس کے علاوہ دوسرے چھوٹے نمائے تصنیف فرمائے، مثلاً :

۱۔ انیس المریدین (۳۱۶ھ - فارسی) اس کتاب میں آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمان کی سوانح حیات لکھی ہے۔ تصوف کے اسرار اور اذکار کے مقامات اور وہ کرامتیں جو اُن کے والد بزرگوار سے ظہور پذیر ہوئیں، درج ہیں۔ دو سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب خواص و عام کیلئے بہت فیض بخش ہے۔ اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے۔

۲۔ تذکرۃ الصلحاء (فارسی۔ ۱۳۲۶ھ) اس کتاب میں حضرت مصطفیٰ نے مختلف بزرگوں کے حالات جن سے انکی ملاقات ہوئی بیان فرماتے ہیں۔ نیز طرح طرح کے مشاہدات بزرگان کرام اور عجائبات چشمیدہ درج فرمائے ہیں۔ بیاسی صفحات پر مشتمل اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی حضرت مصطفیٰ کی حیات مبارک میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے سندھی ترجمہ کا کام حضرت خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی کی طرف سے ہو رہا ہے۔

۳۔ شرح حکم (فارسی۔ ۱۳۴۴ھ) اصل کتاب عربی زبان میں شیخ عطاء اللہ سکندری کی لکھی ہوئی ہے۔ جس کی شرح مختصراً اور واضح طرح سے لکھی گئی ہے۔ تصوف کی یہ کتاب سالکان حق کیلئے ایک عجیب تحفہ ہے جبکہ اس کتاب کی پہلے بھی کئی شرطیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن شاید اتنا آسان اور واضح کبھی نہ لکھی گئی ہو۔ دو سو آٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا سندھی اردو ترجمہ حضرت خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی کی طرف سے زیر طبع ہے۔

۴۔ الاصول الاربعہ (فارسی۔ ۱۳۴۶ھ) اس کتاب میں چار بنیادی

اصولوں کا بیان حنفیہ عقیدے کے مطابق کیا گیا ہے۔ (i) غیر اللہ کی تعظیم (ii) وسیلہ لینا (iii) تملاع غائب (iv) چاروں عقیدوں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا۔ ایک سو ستائیس صفحوں پر مشتمل یہ کتاب آپ کے حیات مبارک میں ہی ہند، سندھ، افغانستان کے علاوہ عرب اور عجم کے دوسرے ممالک میں بھی بہت مقبول ہوئی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں ترکی سے بھی شائع ہوا۔ اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے۔

۵۔ طریق النجات (فارسی ۱۳۳۹ھ) یہ کتاب حضرت امام غزالیؒ کی کتاب ”کیمیاء سعادت“ کی طرح لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک کسوٹی ہے۔ جس کے مطالعہ سے کسرے اور کھوٹے طریقے کی پرکھ ہو جاتی ہے۔ ایک مشعل ہے جس کی روشنی میں ہدایت و ذلالت میں فرق کرنے کی سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عقائد کے سلسلہ میں محبت آل و اصحاب، ضرورت تقلید، تعریف بدعت سبحانی گئی ہے اس کے علاوہ اعمال بدنیہ کے تحت نماز روزے وغیرہ کا بیان اعمال روحانیہ کے تحت مذمت کینہ، حسد و بخل اور حرص وغیرہ کا اور محبت الہی اور سبحانہ و تعالیٰ کے تحت رضا، اخلاص، صدق وغیرہ اور مسئلہ تقدیر کا بیان اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ کسی دوسری کتاب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ کتاب دو سو چھیاسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور حضرت مصطفیٰؐ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد باقیؒ صاحب کا اہم و ترجمہ (اصل عبارت کے نام سے) خود حضرت مصطفیٰؐ کے حیات مبارک میں شائع ہوا۔ اور بہت مقبول ہوا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ترکی سے شائع ہوا ہے۔ اور اہم و دایڈیشن ۱۹۷۹ء میں سیالکوٹ سے بھی شائع ہوا ہے۔

۶۔ العقائد الصحیحہ (عربی ۱۳۶۰ھ) اہل سنت والجماعت کے صحیح عقیدوں پر لکھی ہوئی یہ کتاب (جو آپ کے ہاتھوں میں ہے) بھی حضرت قبلہ کی حیات



مہارٹ میں ہی عرب اور عجم میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی انہی دنوں میں شائع ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل سندھی ترجمہ کے دو ایڈیشن ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء میں حضرت خواجہ محمد حسن جان اکبر ڈی کی طرف سے چھپ چکے ہیں۔

- ۸۔ شفاء الامراض (فارسی) - ۱۳۱۲ھ ۸۔ عہود و مواعین (عربی)
  - ۹۔ پنج گنج (فارسی) - ۱۳۲۱ھ - ۱۰۔ سفرنامہ عربستان (فارسی) - ۱۳۳۲ھ
  - ۱۱۔ عجائب المقدرات (فارسی) - ۱۳۳۶ھ - ۱۲۔ اشارة الى البشارة - (عربی)
  - ۱۳۔ انساب الانبياء (فارسی) - ۱۳۴۲ھ - ۱۴۔ لغات القرآن (عربی)
  - دیگر رسائل مثلاً سالہ (i)، ترجمہ ملحدین - (عربی) - ۱۳۵۶ھ (ii) در سلوک و کیفیت نقشبندیہ (فارسی) (iii)، وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود (فارسی)
  - (iv) رسالہ التنویر فی اثبات التقدير (عربی) - اردو - ۱۳۶۹ھ
  - (v) رسالہ فی باب صمۃ الجمعة (عربی) (vi) رسالہ در قواعد تجوید (۱۳۷۹ھ)
  - (vii) رسالہ تہلیلۃ - (فارسی) - ۱۳۵۴ھ وغیرہ
- حضرت خواجہ محمد حسن جان کو لوگ مختلف القاب سے یاد کرتے تھے آپ کو حضرت وقت، قطب الاقطاب اور ثانی المجتہد الف ثانی بھی کہتے تھے خواجہ صاحب کا کمال یہ تھا، کہ آپ کے عقیدہ مندوں کے حلقے میں زیادہ تر عالم و فاضل لوگ تھے۔ اور ساتھ ہی انگریزی تعلیم یافتہ لوگ بھی بڑی تعداد میں تھے۔ حالانکہ یہ دونوں طبقے پیروں فقیروں کے معتقد نہیں ہوتے۔ بلکہ مخالف ہوتے ہیں۔

حضرت صاحب مریدوں اور عقیدہ مندوں کو نماز قائم کرنے اور فجر کی نماز سے لیکر طلوع آفتاب تک مراقبے میں بیٹھ کر ذکر الہی کرنے کی تلقین

فرماتے تھے۔ آپ کے اکثر مرتبہ گندار و شب سبیدار تھے۔ اور اکثر صاحب ولایت بھی تھے۔

حضرت صاحب اکثر پُر جلال نظر آتے تھے۔ آپ کی مغل میں ہر ایک دم بخود ہوتا تھا۔ کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ جس قدر خلوت میں جلالی نظر آتے تھے اسی قدر خلوت میں جمالی معلوم ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص دعا کیلئے گزاریں کرتا، اور آپ خاموش رہتے تو اس کے دل کی مراد قبولیت کے درجہ تک پہنچ جاتی تھی۔ آپ کا کشف بھی حد کمال کا تھا۔ کہ عرض کرنے سے پہلے ہی جواب مل جاتا تھا۔

جیسا کہ حضرت امام ربانیؒ نے فرمایا ہے کہ آپ کی اولاد میرے قطبیت قیامت تک قائم رہے گی حضرت صاحب ممدوح آپ کی پشت میں وقت کے قطب بلکہ قطب الاقطاب تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کی آل اولاد بھی قطبیت سے سرفراز ہوئی۔

جبکہ اس دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف ہر ایک کو جانا ہے۔ حضرت صاحبؒ نے بھی تقریباً چالیس دن کی بیماری کے بعد بروز پیر ۲۲ ربیع الثانی ۱۰۶۵ھ، ۶ جون ۱۹۴۶ء ستاسی سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔  
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

### قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبداللہ جان المعروف شاہ آغا

اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸ ماہ جمادی الاول ۱۲۰۵ھ میں مکہ شریف میں ہوئی۔ دس سال کی عمر تک اپنے دادا حضرت خواجہ عبدالرحمانؒ کی گود میں



تربیت و تعلیم حاصل کی۔ فارسی کتاب پوری کرنے کے بعد عربی کا پہلا سبق ،  
 ”صرف بہائی“ آپ سے لیکر اس کے بعد باقاعدہ دینی علوم کی کتابیں ،  
 مولوی عبد القیوم بختیار پوریؒ، مولوی نعل محمد مٹیاروی اور مخدوم حسن اللہ  
 پامانی کے پاس پڑھی اور باقی تعلیم مولوی خیر محمد شنگسی کے پاس پوری کی۔

آپ کی عمر مبارک ۸۳ سال تھی۔ اس عرصہ میں چار حج کیے۔ چند  
 مسجدیں تعمیر کروائیں۔ کافی مدرسے قائم کیے۔ اور تقریباً پندرہ کتابیں اور  
 چھوٹے رسالے تصنیف کیے۔ مثلاً انتخاب مکتوبات شریف (فارسی) جس  
 میں ہر ایک مکتوب کا اختصار باب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ مثلاً پہلا  
 باب عقائد اہلسنت والجماعت دوسرا باب مسائل فقہ اور تیسرا باب حقائق  
 و مصارف۔

۲۔ اربعین مکتوبات (فارسی) جس میں چالیس آسان مکتوب منتخب  
 کر کے شاگردوں کو پڑھانے اور یاد کرانے کیلئے لکھی ہیں۔

۳۔ مؤنس المخلصین۔ (فارسی) جس میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ  
 محمد حسن جانؒ کی سوانح حیات لکھی ہے۔

۴۔ حفظ حدیث۔ (فارسی) یہ کتاب حدیث کے منکروں کے رد میں لکھی ہے۔

۵۔ ہدایت الحج۔ (سندھی) یہ کتاب حج کے مسائل کیلئے مبے نظیر ہے۔

۶۔ راحت القلوب۔ (سندھی) جس میں روحانی و جسمانی بیماریوں کا علاج  
 لکھا ہے۔

۷۔ راحت المخلصین (سندھی) اس کتاب میں اپنے بچپن کے دور کا احوال،  
 تعلیم و تربیت علم و ذوق شوق اور وعظ و نصیحت لکھی ہیں۔

۸۔ الارشاد شرح بانٹ سعادت۔ (سندھی) اس کتاب میں ایک عربی

قصیدے کی شرح اور حل ترکیب لکھی ہے۔

۹۔ احسن الوسائل۔ فی تحقیق المسائل۔ (سندھی) اس کتاب میں مختلف مسئلوں اور سوالوں کے جواب لکھے ہیں۔

۱۰۔ مخزن العلوم۔ (سندھی) حصہ علم وادب کا۔ حصہ علم قرأت، حصہ علم فقہ کا۔ حصہ علم حدیث کا۔ حصہ علم تعویذات کا۔ اور حصہ علم طب کا۔ ۱۱۔ شرح قافیہ (عربی) اس کتاب میں قافیہ کی شرح لکھی ہے۔

۱۲۔ طب میں تفریفات الامراض اور تفریق الامراض دو کتابیں لکھی ہیں (۱) پہلی کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور دوسری کتاب فارسی زبان میں ہے۔

۱۳۔ برگ سبز۔ (فارسی) اس کتاب میں درخت نیم کے فائدے بیان کیے ہیں۔

نوٹ: حضرت صاحب اپنے ذاتی خراج سے کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے تھے۔ جس قدر آپ کی تحریر میں اثر تھا اس سے زیادہ آپ کی نگاہ میں اثر تھا۔ جن پر آپ نے نگاہ ڈالی۔ اُس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہدایت نصیب ہوئی۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی ساری زندگی مریدین اور معتقدین کی باطنی اور ظاہری تعلیم و تربیت میں گزاری۔ اپریل ۱۹۶۲ء میں چمبر کے راستے میں آپ کی جیپ کی ٹکڑا لکیر بس سے ہوئی۔ جس میں آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اور آپ کو زخمی حالت میں جامشورو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ آپ کے ہزاروں مرید معتقد ہسپتال میں پہنچے۔ اور رئیس غلام مصطفیٰ خان اور رئیس غلام مجتبیٰ خان جنوٹی بھی آپ کی مزاج پُرسی کیلئے ہسپتال میں پہنچے۔ لیکن آپ نے کسی سے بھی اپنی تکلیف کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اور اُس وقت بھی کوئی نماز ترک نہ کی۔ خلیفہ سائیداد اور ماسٹر نور محمد پٹان اور اُن



کے فرزند محمد قاسم اور مبارک علی رات دن آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ جن کا آپ نے پہلے ہی اس خدمت کیلئے انتخاب کر لیا تھا۔ آپ ایک ہفتے تک ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ آخری رات عشاء کی نماز کے بعد قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ تہجد کے وقت قرآن پاک ختم کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ جس کو نیند بھگا گیا۔ حالانکہ وہی آپ کا وصال تھا۔ آپ نے ۲ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ بمطابق ۷ اپریل ۱۹۷۳ء کے دن دارالبقاء کی جانب سفر اختیار کیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ \*

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جانؒ

حضرت خواجہ غلام علی جانؒ اپنے والد حضرت خواجہ عبداللہ جانؒ المعروف شاہ آغا قدس سرہ العزیز کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے دادا حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ سے ہوئی۔ اور باقی تعلیم ٹھٹھہ کے دینی مدرسہ میں حاصل کی۔ حضرت صاحب نے اپنی ساری زندگی عبادت، ریاضت اور فقر و فاقہ میں گزاری۔ آپ کی پیٹھک ایک چھوٹی سی کچی کو ٹھڑی میں تھی۔ جس میں ایک چار پائی، ایک چٹائی دو تین پیالے اور ایک کیتلی نظر آتی تھی۔ حضرت صاحب اکثر مستغرق و مراقب رہتے تھے۔ اور اسی کیفیت میں حاضرین میں سے کسی پر ایک نگاہ ڈالنے سے اس کو باطنی فیض سے اتنا نوازتے تھے کہ وہ بے قابو ہو جاتا تھا اور رقیبۂ واصل باللہ ہو جاتا تھا۔ آپ یتیموں، مسکینوں، غریبوں اور چھوٹے بچوں سے پیار کرتے تھے۔ ایلے آپ کو لوگ ”غریب نواز“ کہتے

تھے۔ میاں محمد منیر ابڑو، ولی محمد سومرو، ایوب فقیر سومرو اور دلویان  
پٹھان آپ کے خاص خادم تھے۔ آپ سفر میں محمد منیر کو ساتھ رکھتے تھے۔ ماہ  
رجب ۱۳۹۷ھ میں آپ حاجی کریم بخش جتوئی محمد منیر اور امام بخش خان  
جتوئی کے ہمراہ عمرہ کیلئے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی عجیب و غریب  
کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ (جسکے اظہار کی اجازت نہیں ہے) آپ ایک مہینہ  
کے بعد واپس آئے۔ اور چند دنوں کے بعد تاریخ ۲۵ شعبان کو رحلت فرمائی۔  
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

### حضرت خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ

حضرت الحاج خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ کی ظاہری و باطنی  
ترتیب اپنے دادا حضرت آغا عبداللہ جان کے پاس ہوئی۔ آپ کسنی سے  
ہی سفر و حجر میں اپنے دادا کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے  
وصال کے بعد ۱۳۹۷ھ میں مسند نشین ہوئے۔ آپ کو ۱۳۹۸ھ میں حج  
کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور مسند نشینی کے دوسرے سال آپ کو حضور علیہ  
صلوٰۃ والسلام کے روضہ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ  
تقریباً دو ماہ تک مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کی ظاہری و باطنی عنایات و توجہ خاصہ سے سرفراز ہوئے۔ اسی سال پھر  
آپ کو دوسری مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ سنڈو سائینڈا و ضلع  
حیدر آباد میں سلسلہ مجددیہ کے چراغ کو حسب دستور روشن کیے ہوئے ہیں۔

ابو محمد مجددی

(غلام اکبر جتوئی)

پیر ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ

مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۸۲ء



## ۲۔ دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَرَسُوْلہِ الْمَصْطَفٰی  
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْبَرَرۃِ اَہْلِ الثَّقَلِ۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد عبد ضعیف محمد حسن فاروقی حنفی گزارش کرتا ہے۔  
کہ عہد حاضر میں دہلیہ اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پڑا ہوا ہے۔  
عام عقائد میں حتیٰ کہ الہیات میں اور مفہوم رسالت میں اور ان مسائل  
شرعیہ میں بھی اختلاف ہے۔ جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ اختلاف اب  
ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ چکا ہے۔ جسکی وجہ سے اُمت محمدیہ میں ناگفتہ بہ  
نشتت و افتراق پڑ گیا ہے۔ اس لئے میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس  
مختصر سی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے عقائد مختصر طور پر بیان  
کروں اور حتیٰ الوسع مخالفین کے اقوال نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں۔ مگر  
بقدر ضرورت نقل بھی کروں گا۔ اور خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں  
کو کج روی اور اغلاط سے محفوظ رکھے کہ اس کتاب کی طفیل سے ان کو فائدہ  
بچنے گا۔ اُسندہ خدا مالک ہے جو چاہے کرے، اسی کی بارگاہِ عالی میں میری  
درخواست منظور ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ میں اس رسالہ میں عموماً نہ احادیث  
شریف سے دلیل پیش کروں گا، نہ اقوالِ آئمہ سے اور نہ اقوالِ علمائے اسلام  
سے، مگر بقدر ضرورت پیش کرتا جاؤں گا۔ تاکہ ان کی قابلِ قدر قیاسات  
شرعیہ مخالفین کی بد زبانوں سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ ان کی عادت ہے  
کہ کوئی حدیث جب ان کے خیال کے مطابق نہ ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ  
ضعیف ہے۔ یا موقوف ہے۔ اگرچہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو استدلال

کے موقع پر پیش کیا ہو۔ چنانچہ جناب امام غزالیؒ، امام سیوطیؒ، شیخ عبدالحقؒ،  
 محدث دہلویؒ اور محدث ملا علی قاریؒ وغیرہم ایسے استدلال پیش کر  
 چکے ہیں۔ اور مخالفین حسبِ عادت ائمہ دین اور اکابر اسلام کے ایسے  
 استدلال جب دیکھتے ہیں تو ان کے حق میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے ہیں  
 خدا ہی ان کو سنبھالے، اسلئے میں عموماً اس موقع پر قرآنی آیات ہی پیش  
 کروں گا جس کی مخالفت دوسرا دوسرے نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ خدا سے  
 حکیم و حمید کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں موضع اختلاف میں انصاف سے فیصلہ  
 کروں گا۔ اور قولِ باطل پر قدم نہ جماؤں گا۔ اس کے بعد اس رسالہ کا نام  
 میں نے **الْعُقَايِدُ الصَّحِيحَةُ** رکھا ہے۔ اب سب سے پہلے میں وہ مضمون  
 لفظ بہ لفظ پیش کرتا ہوں۔ جو حضرت امام حجة الاسلام محمد الغزالی رحمۃ اللہ  
 نے توحید اور الہیات اور منصب رسالت کے متعلق اپنی کتاب **قَوَائِدُ الْعُقَايِدِ**  
 میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ مضمون اس مقام کیلئے بہت ہی موزون ہے۔ آپ  
 لکھتے ہیں کہ **الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمُبْدِي الْمُعِيدِ الْمَقَالِ لِمَا يُرِيدُ ذِي الْعَرْشِ**  
**الْمُجِيدِ وَالْبَلَّغِ الشَّهِيدِ الْهَادِي مَفُوءَ الْعَبِيدِ إِلَى الْمُنْجِي الرَّ**  
**شِيدِ - وَالْمَسْلُوكِ السَّادِي - الْمُنْعِمِ عَلَيْهِمْ بَعْدَ شَهَادَةِ**  
**التَّوْحِيدِ بِحَدَاسَةِ عُقَايِدِهِمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الشُّكِّ وَالزُّوْهِدِ**



## ۳۔ توحید

خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے لئے انتخاب کر لیا ہوا ہے اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے کے لئے چھ لیا ہے۔ اپنی تائید اور توفیق سے خدا تعالیٰ اپنی ذات اور اپنے افعال میں اپنے اوصافِ حسنہ کے ذریعہ سے ان پر جلوہ گر ہے۔ مگر ان صفات کو وہی دریافت کر سکتا ہے۔ جو غور سے سنے اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھے۔ اس نے یہ بھی ان کو بتا دیا ہے۔ کہ وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے۔ ایسا قدیم ہے۔ جس کی ابتداء نہیں ہمیشہ موجود ہے۔ جسکی آخری حد نہیں۔ ازل وابد میں موجود ہے جسکی انتہا نہیں، مستقل بالذات ہے۔ کسی قسم کی کسر اس کی ذات میں باقی نہیں، دائم و قائم ہے۔ جس کا خاتمہ نہیں، صفاتِ جلالیہ کے ساتھ انلی وابدی وجود ہے۔ اس کے متعلق یہ کبھی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کہ اسکی دائمی زندگی کے اوقات ختم ہو چکے ہیں یا اسکی مدتِ حیات گزر چکی ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا بھی ہے۔

## خدا تعالیٰ کا تقدس

خدا کی جسم اور صورت میں نہیں، نہ محدود چیز ہے جس کا تخمینہ لگایا جائے۔ کسی جسم کی مثل بھی نہیں کہ اس میں قیاس لگایا جائے۔ یا اسکی تقیم ہو سکے۔ نہ وہ ٹھوس مخلوق ہے نہ غیر مستقل چیز ہے۔ جو دوسرے کے آگے

سے پائی جائے۔ نہ وہ صفاتی چیز ہے۔ نہ صفاتی ناپائیدار چیزوں کا مرکز ہے وہ کسی ہستی کی مشل نہیں، نہ کوئی ہستی اسکی مشل ہے۔ بلکہ اسکی مثال کی بھی مثال نہیں۔ اور نہ ہی اسکی مثال۔

کسی چیز کی مشل ہے کوئی مقدار اس کو محدود نہیں کرتی، نہ اطراف اسکو اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں۔ کوئی جیت لے اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتی۔ زمین و آسمان بھی اسے نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش پر قائم ہے۔ مگر اسی طرح جو اس نے خود کہا ہے۔ اور اسی کیفیت سے جو اس کے اپنے ارادہ میں ہے اس کا وہ قیام اتصال اور چھونے سے بالاتر ہے۔ اور اندراج اور جذب سے الگ ہے، اس میں انتقال بھی نہیں، عرش لے اٹھائے ہوئے بھی نہیں بلکہ وہ خود اپنے عرش کو اور اس کے اٹھانے والے فرشتوں کو اپنے دست قدرت سے اٹھائے ہوئے ہے۔ اور اس کے قبضہ میں مقلوب ہیں۔ وہ عرش پر ہے اور آسمان پر بھی۔ بلکہ تحت الثریٰ تک ہر چیز پر فائق ہے۔ یہ فوقیت نہ اسے آسمان اور عرش کے قریب کرتی ہے۔ اور نہ زمین اور تحت الثریٰ سے دور لے جاتی ہے۔ وہ عرش و آسمان سے بالاتر مرتبہ رکھتا ہے۔ تاہم وہ ہر چیز تحت الثریٰ سے بالاتر ہے۔ تاہم وہ ہر چیز کے قریب ہے۔ اور شہ رگ سے زیادہ اپنے بندہ کے قریب ہے۔ اور ہر چیز کا نگرانِ حال بھی ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح قریب نہیں جس طرح کہ جسم قریب ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی حقیقت کسی جسمانی حقیقت سے نہیں ملتی۔ نہ وہ کسی میں حل اور تبدیل ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حل اور تبدیل ہو سکتی ہے۔ وہ اس امر سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی مکان اسے اپنے اندر سمیٹ لے جس طرح کہ اس امر سے بھی بالاتر ہے۔ کہ کوئی زمانہ اسے محدود کرے بلکہ وہ خود زمانہ اور مکان پیدا کرنے سے پہلے موجود



تھا اور اب بھی اسی طرح موجود ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنے صفات میں اپنی مخلوق سے مزا لے۔ اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں نہ غیر میں وہ موجود ہے۔ وہ تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ نہ حوادث اسمیں جاگزیں ہیں۔ اور نہ صفائی ناپائیدار حالات اسمیں موجود ہیں۔ بلکہ وہ اپنے جلال میں موجود ہے۔ اور زوال سے پاک ہے۔ وہ اپنے صفاتِ کاملہ میں موجود ہے۔ کسی اور تکمیل کی اسے ضرورت نہیں صرف عقل سے اس کا وجود معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کی ذات بھی آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہے۔ جب کہ دوسری دنیا میں اپنے نیک بندوں پر فتنل و کرم کی نگاہ کرے گا۔ اور اپنے مبارک چہرہ کے دیدار سے ان کی تکمیلِ نعمت کرے گا۔

## خدا تعالیٰ کی ابدی زندگی اور قوت

وہ زندہ، طاقتور، صاحبِ قدرت، ہر چیز پر غالب، ہر شے کا دل کا سہارا ہے۔ اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں، اور نہ عاجزی، نہ اسے نیش آتی ہے، نہ اونگھ، اور نہ اسے فنا اور موت سے پالا پڑا ہے۔ وہ حکومت اور بندوبست کا مالک ہے۔ عزت اور غلبہ کا بھی مالک ہے۔ مخلوق پر تسلط اور غلبہ اُسی کا ہے۔ وہی نسل سے پیدا کرتا ہے۔ اور وہی کئی کئی گنا سے پیدا کرتا ہے۔ تمام آسمان اس کے دستِ قدرت کے دانے ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں۔ تمام مخلوقات اس کے قبضہ میں مغلوب ہے۔ صرف وہی مادہ اور مادہ کے

کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اپنی ایجاد و اختراع میں یکٹا ہے۔ اس نے ہی اپنی مخلوقات کو اور اس کے اعمال کو پیدا کیا ہے۔ اس نے اسکی روزمی اور موت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کوئی مخلوق اسکی قدرت سے خارج نہیں ساری کائنات کے تصرفات بھی اسکی قدرت سے باہر نہیں، اس کی قدرتوں کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ اور نہ ہی اس کے معلومات کی کوئی انتہا ہے۔

## خدا تعالیٰ کا علم

وہ تمام اشیاء کا عالم ہے، اس کا علم تمام ان چیزوں پر حاوی ہے جو زمین کے کناروں سے لے کر اوپر کے آسمانوں تک جاری ہیں۔ ایسا عالم ہے کہ اس کے علم سے ذرہ بھر بھی زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں، بلکہ ٹھوس پتھر پر جب چیونٹی سخت اندھیری رات میں دبے پاؤں چلتی ہے۔ تو اس کی رفتار سے بھی آگاہ ہے۔ اور جو ذرات ہوا میں اڑتے ہیں۔ اُن کی حرکت کو بھی جانتا ہے، وہ راز اور راز سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے۔ دل کے خیالات اور خیالات کی حرکات بھی جانتا ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھی جانتا ہے۔ مگر اس کا یہ علم ازلی ہے۔ جو ہمیشہ سے ہمیشہ میں اسکی صفت ہے۔ وہ کسی نو پیدا علم سے نہیں جانتا جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کبھی نکل جائے۔

## خدا تعالیٰ کا ارادہ

وہ مخلوقات میں اپنا ارادہ کرتا ہے۔ تمام نو پیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے، جو بھی اسکی بادشاہت میں کم و بیش، خورد و کلاں، دکھ سکھ



نفع و ضرر، ایمان و کفر، خدا شناسی یا انکار، کامیابی یا ناکامی، زیادتی یا نقصان، فرمانبرداری یا بے فرمانی ہوتی ہے اسی کی قضاء و قدر اور حکمت و مشیت سے ہوتی ہے۔ جسے چاہے وہ موجود ہو جا سکے۔ اور جسے نہ چاہے وہ موجود نہیں ہوتا۔ اس کی مرضی سے آنکھ کی ایک نگاہ بھی باہر نہیں اور دل کا کوئی خیال بھی باہر نہیں۔ بلکہ وہی نوپید کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے، وہی کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو روکنے والا نہیں نہ ہی اس کے فیصلہ پر کوئی شکستہ چین ہے۔ انسان کو کسی برائی سے رکنے میں اس کی توفیق اور رحمت کے بغیر چارہ نہیں اور فرمانبرداری میں اس کے ارادہ اور مشیت کے سوا مجال نہیں اگر تمام انسان، جن، فرشتے اور شیطان بھی جمع ہو کر سلسلہ کائنات میں ایک ذرہ کو بھی حرکت دیں یا اس کے ارادہ کے بغیر اسے ساکن کرنا چاہیں، تو اس سے عاجز ہو جائیں گے۔ خدا کا ارادہ اس کی اپنی ذات میں باقی صفات کی طرح قائم ہے۔ وہ بدستور اس سے موصوف رہا ہے۔ زمانہ ازل میں اس نے ارادہ کیا، کہ سلسلہ مخلوقات اپنے اپنے وقت پر پیدا ہو، جو اس نے تجویز کیا تھا۔ چنانچہ جس طرح اس نے زمانہ ازل میں کسی تقدیم و تاخر کے بغیر چاہا تھا۔ اسی طرح کائنات معرض ظہور میں آگئی۔ بلکہ اس کے علم کے اور اس کے ارادہ کے مطابق بغیر کسی تغیر و تبدل کے موجود ہو گئی نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی ضرورت پڑی، نہ اسے کسی وصیت کا انتظار تھا یہی وجہ ہے کہ اسے ایک مصروفیت دوسری مصروفیتوں سے غافل نہیں کرتی۔

## خدا تعالیٰ کی قوت شنوائی اور بینائی

وہ خدا سنا ہے اور دیکھتا ہے۔ اس کی شنوائی سے کوئی بات باہر

نہیں۔ اگرچہ وہ کتنی ہی مخفی ہو اور اسکی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اگرچہ کتنی ہی باریک ہو۔ اس کی قوتِ سماعت کو کوئی دوسری مانع نہیں۔ اور اس کی قوتِ بینائی کو کوئی تاریکی نہیں روکتی۔ وہ بغیر آنکھ اور پلک کے دیکھتا ہے۔ اور سو رانِ گوش اور کان کے بغیر سنتا ہے۔ اسی طرح دل کے بغیر جانتا ہے۔ اور ہاتھ کے بغیر حملہ کرتا ہے۔ اور اوزار کے بغیر پیدا کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کے صفات مخلوق کی صفات جیسے نہیں اور نہ ہی اسکی ذات مخلوق کی ذات کی مثل ہے۔

## خدا تعالیٰ کا کلام

وہ کلام کرتا ہے، حکم کرتا ہے، روکتا ہے، خوشخبری دیتا ہے۔ عذاب کی خبر دیتا ہے۔ مگر اس کا کلام ازلی ابدی قدیم ہے۔ جو اسکی ذات میں قائم ہے۔ اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کی مداخلت اور حرکت سے پیدا ہو یا دو چیزوں کے ٹکرانے سے پیدا ہو۔ حروف سے مرکب نہیں کہ ہونٹ کی بندش سے ختم ہو جاتے۔ اور زبان کے چلنے سے جاری ہو۔ قرآن، توراۃ، انجیل اور زبور اسی کی کتابیں ہیں۔ جو اسکے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ چنانچہ قرآن اگرچہ زبان سے پڑھا جاتا ہے۔ یا اوراق میں لکھا جاتا ہے۔ اور دلوں میں محفوظ ہے۔ تاہم وہ قدیم ہے۔ خدا کی ذات میں قائم ہے۔ اوراق میں یا دلوں میں منتقل ہونے کے باوجود بھی وہ خدا کی ذات سے الگ اور منتقل نہیں۔ کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام الہی سنا تھا، اسمیں آواز نہ تھی۔ اور نہ حروف تھے۔ اسی طرح نیک انسان عالم آخرت میں خدا کا دیدار پائیں گے۔ مگر وہ نہ ٹھوس ہو گا نہ عارضی چیز۔ جب خدا ایسا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ان صفات میں حی، عالم، قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم ہے۔



اور اس میں یہ سات صفات موجود ہیں۔ حیوۃ، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور اس کی ذات اپنی صفات سے خالی نہیں۔ (امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام یہاں پر ختم ہو جاتا ہے) اب مؤلف کہتا ہے۔ (خدا انکے گناہ معاف کرے) کہ امام صاحب نے جو خدا کے سات اوصاف بیان کئے ہیں وہ مندرجہ اشعری کے مطابق ہیں۔ ورنہ مذہب ماتریدیہ میں ایک آٹھواں اور بھی خدا کا وصف ہے۔ جسے تکوین کہتے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں صرف ارادہ ہی کافی نہیں، بلکہ تکوین کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں، تو اسے کُن کہتا ہوں تو پھر وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ اور چیز ہے اور تکوین جو لفظ کُن سے اشارت کی جاتی ہے، اور چیز ہے۔ اس کے علاوہ صرف ارادہ کرنے والا فاعل نہیں کہلاتا۔ سوائے اس کے کہ اس کو ہست سے نیست کر دے۔ پس لفظ کُن سے خدا تعالیٰ کا امر ہے۔ اس کو جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، کہ نیست سے ہست کر دے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کا مقام علم کلام کی کتاب میں ہیں۔ مثلاً شرح عقائد، شرح مواقف وغیرہ۔ اب ہم دوبارہ امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام درج کرتے ہیں۔

## افعال خداوندی

جو بھی اللہ کے بغیر ہے۔ وہ اسی کے فعل سے پیدا ہوا ہے۔ اور بہترین عدل کے طریق پر اور مکمل و احمک طرز پر صورت نما ہوا ہے۔ خدا اپنے افعال میں حکمت استعمال کرتا ہے۔ اپنے فیصلہ میں عدل کرتا ہے۔ مگر اس کا عدل انسانی عدل کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے۔

جبکہ وہ غیر کے ملکیت پر متصرف ہو اور خدا سے ظلم کا امکان بھی نہیں۔ کیونکہ جب  
 کہ یہاں غیر کی ملکیت ہی نہیں، تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ وہ غیر کی ملکیت پر تصرف  
 کرتا ہے۔ تاکہ اس کا عمل ظلم قرار پائے۔ کیونکہ اس نے یہ تمام چیزیں خود پیدا  
 کی ہیں۔ انسان، جن، شیطان، فرشتے، آسمان، زمین، حیوان، نباتات،  
 جوہر، عرض، مدرک، باکس اور مدرک بالعقل وغیرہ، چنانچہ اس نے  
 اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کو وجود عطا کیا ہے۔ بعد  
 اس کے کہ وہ نیست تھیں۔ اور وہ خدا خود زمانہ ازل میں موجود تھا۔ اور اس  
 کے ساتھ کوئی غیر موجود نہ تھا۔ پھر اس نے اپنی اظہار قدرت کے لئے کائنات  
 کو پیدا کیا۔ اور اس سے اپنے ارادہ کا ثبوت دیا۔ جو اس نے پہلے کیا ہوا تھا۔  
 اور اس قول کو پورا کرنے کیلئے جو ازل میں کہہ چکا تھا۔ ورنہ اسکو کائنات کی  
 کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ یہ اسکی مہربانی ہے کہ اسے پیدا کیا۔ نیست  
 بہت کیا اور صاحب اختیار بنایا۔ ورنہ یہ سب کچھ اس پر واجب نہ تھا۔  
 اور وہ ہم پر فضل کرنے والا ہے۔ کہ اس نے ہم پر احسان کیا۔ اور ہماری  
 اصلاح کی۔ حالانکہ ہم بھی اس کا فرض نہ تھا۔ پس یہ سب کچھ اس کا فضل  
 ہے۔ احسان اور نعمت اور انعام ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت قادر ہے کہ اپنے  
 بندوں پر قسم قسم کے عذاب ڈالے اور رنگ رنگ کے مصائب میں گرفتار  
 کرے۔ اگر یہی کرے تو ہم پر بھی اس کا عدل ہی ہوگا۔ اور اس کے لئے کوئی معیوب  
 کام نہ تھا۔ اور نہ ہوگا۔ خدا اپنے حسب وعدہ اور فضل و کرم سے بندوں  
 کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر ثواب دیتا ہے۔ ورنہ بندوں کا کوئی اس  
 کے خستہ نہیں۔ اور نہ ہی ان کا کوئی فرض اس پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر  
 کوئی فعل بھی واجب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے ظلم متصور ہو سکتا ہے۔



اور کسی کا حق اس کے ذمہ پروا جب نہیں۔ مگر مخلوق پر اس کا حق اطاعت واجب ہے۔ جو اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے بیان کیا ہے۔ اور وہ حق اطاعت صرف عقل سے دریافت نہیں ہوتا تھا۔ اسلئے اس نے اپنے رسول پیغمبر اور کھلم کھلا معجزات سے ان کا صداقت کا اظہار فرمایا۔ تو پھر انہوں نے خدا کا امر، نہی، وعدہ اور وعید کی خبر دی۔ اس لئے مخلوق پر واجب ہو گیا کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں، اس کی تصدیق کریں۔

## ۴. منصب رسالت

خدا ہی نے اپنا نبی امی قرشی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ خواہ عرب ہوں یا عجم یا چین ہوں یا انسان، سوائے چند اصولی احکام کے، تمام شرائع سابقہ کے احکام کو منسوخ کر دیا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کو فضیلت بخشی۔ آپ کو سید البشر بنایا۔ اور جب تک محمد رسول اللہ کا اقرار نہ ہو، اقرار توحید یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ماننے سے روک دیا۔ اور مخلوق پر آپ کی تعین فرم کر دی۔ ان احکام کے متعلق جو آپ نے دنیا و آخرت کی بابت بیان کئے ہیں۔ اور یہ بھی فرم کیا۔ کہ کسی کا ایمان معتبر نہیں۔ جب تک وہ باتیں نہ مانے۔ جنکی خبر آپ نے انسان کی موت کے بعد دی ہیں۔

جن میں سے اول منکر نکیر کا سوال ہے۔ یہ دو فرشتے باہمیت خوفناک ہیں۔ جو مردہ کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں۔ جس میں روح اور جسم دونوں ہوتے ہیں۔ پھر توحید اور رسالت نبوی کا سوال کرتے ہیں۔ کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ اور تیرا نبی کون ہے؟ اور یہ دو فرشتے قبر کا امتحان ہیں۔ کیونکہ موت کے بعد قبر میں پہلا امتحان ان کے سوالات ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ مومن عذاب قبر کو تسلیم کرے۔ کہ وہ حق ہے اور حکمت اور عدل ہے جسم اور روح پر حسب طرح کہ خدا چاہے۔

یہ بھی مانے کہ میزان عمل کے دو پلڑے ہیں۔ اور ایک قبضہ کی رستی ہے۔ اس کی بڑائی کا بیان یوں ہے۔ کہ وہ زمین و آسمان کی وسعت کے برابر بڑی



ہے۔ اس میں قدرتِ الہیہ سے اعمال تو لے جائیں گے۔ اور اس کے بٹے چھوٹی اور رائی کے دانے کے برابر بھی ہونگے۔ تاکہ پورا پورا انصاف ہو۔ پھر اس کے نورانی پلہ میں نیک اعمال کے صحیفے ڈالے جائیں گے۔ جن سے وہ ترازو بوجھل معلوم ہوگا۔ ان کے نیک اعمال کے درجہ کے مطابق خدا کے فضل و کرم سے۔ پھر دوسرے تاریک پلٹے میں بد اعمالیوں کے صحیفے ڈالے جائیں گے تو وہ خدا کے عدل و انصاف سے ہلکا ہو جائے گا۔

مومن یہ بھی مانے، کہ پل صراطِ حق ہے اور جہنم کی پشت پر یہ ایک لمبا پل بچھایا جائے گا۔ جو تلوار سے تیز ہوگا۔ اور بال سے باریک، اس سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے۔ اور خدا کے حکم سے جہنم رسید ہوں گے۔ مومنین کے قدم اس پر ٹپک جائیں گے، تو جنت کو لے جائے جائیں گے۔

یہ بھی مانے، کہ حوض کوثر حق ہے۔ جس پر لوگ آئیں گے۔ اور حضور علیہ السلام کے حوضِ محمدی سے دخولِ جنت سے پہلے مومنین پانی پئیں گے اور پل صراط سے گزر کر بھی اس کا پانی پئیں گے۔ اور جو شخص لکا ایک گھونٹ بھی پی لے گا۔ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس کی وسعت آسمان کے برابر ہے۔ اس میں دو نالیاں حوض کوثر سے نکل کر کھلتی ہیں۔

مومن یہ بھی مانے، کہ حساب کا دن حق ہے، جس میں مخلوقات مختلف طریق پر مبتلا ہوگی۔ کسی سے خوب باز پرس ہوگی۔ اور کسی سے چشم پوشی کی جائے گی۔ اور کئی ایک بغیر حساب کے بھی داخلِ جنت ہوں گے۔ اور یہ لوگ خدا کے مقرب ہوں گے۔ خدا کا منشا ہوگا۔ تو انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال ہوں گے کہ تبلیغ کیسے کی؟ جی چاہے گا۔ تو کفار اور مکذبین سے بھی سوال ہوں گے کہ تم نے رسول کی تکذیب کیوں کی؟ بدعتی اور مخالفِ سنت

سے سوال ہوگا۔ کہ تم نے سنت طریق کو کیوں چھوڑا اور اہل اسلام سے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔

اور مومن یہ بھی مانے، کہ اہل توحید جہنم سے بدلہ پا کر آخر نجات پائیں گے۔ یہاں تک کہ خدا کے فضل و کرم سے وہاں کوئی اہل توحید نہ رہے گا۔

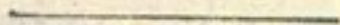
یہ بھی مانے، کہ انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے۔ ان کے بعد اہل علم پھر شہادت یافتہ اور سب کے اخیر باقی اہل اسلام اپنی اپنی قدر منزلت کے مطابق شفاعت کریں گے اور جو مومن جہنم میں بغیر شفاعت کے پڑا رہے گا۔ اور اس کا کوئی شفیع نہ ہوگا۔ تو خدا کے اپنے فضل سے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اور دوزخ میں کوئی اہل ایمان باقی نہ رہے گا۔ بلکہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ بھی جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

یہ بھی مانے، کہ صحابہؓ کی فضیلت برحق ہے۔ اور ان میں ترتیب دار فضیلت صدیوں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے بعد افضل الناس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروقؓ پھر حضرت عثمان غنیؓ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مومن صحابہؓ کے متعلق حسن ظن رکھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اہل حضور علیہ السلام نے ان کی تعریف و توصیف کی ہے۔ یہ بھی ان کی تعریف کرے۔

ان تمام عقائد کے متعلق شاید احادیث نبویؐ وارد ہیں۔ اور اقوال صحابہؓ مشابہ ہیں۔ جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے۔ وہ اہل حق اور اہل سنت ہوگا۔ اور اہل بدعت اور گمراہ فرقوں سے الگ سمجھا جائے گا۔ ہم سب کا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ سے کمال یقین اور اسلامی استقلال کی درخواست کریں۔



اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے۔ وصلى الله على  
سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين۔ یہاں تک جو ہمیں امام صاحب  
کی کتاب قواعد العقائد سے نقل کرنا تھا۔ نقل کر دیا ہے۔



## ۵۔ اُمتِ محمدیہ کا سب سے بڑا فرقہ بننا

اب مولف رسالہ ہذا (عفی عنہ) اپنا مضمون شروع کرتا ہے کہ  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ و بے دستہ تعین یا اللہ ہمیں جو حق بات ہے  
 وہ صحیح دکھادے اور باطل کو واقعی طور پر باطل دکھا اور ہمیں اس سے کنارہ  
 کشی نصیب کر۔ اس کے بعد واضح ہو کہ آج اس اُمتِ محمدیہ میں عقائد کا اختلاف  
 بہت ہے۔ اور ان کی رائیں مختلف ہیں۔ اور انہیں باہمی نفرت پیدا ہو چکی  
 ہے۔ اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں  
 اور دوسرے باطل پر ہیں۔ کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں پہلے ہی  
 خبر دی ہوئی ہے اور فرمایا ہے کہ میری اُمت ۳ فرقہ پر تقسیم ہو جائے گی۔۔۔۔۔ اور یہ  
 حدیث پورے سوال و جواب کے ساتھ میں نے اپنی کتاب فارسی الاصول  
 الاربعة فی تزید الوہابیۃ کے اخیر نقل کر دی ہوئی ہے۔ مگر تاہم تکمیل  
 فائدہ کیلئے اسے یہاں بھی نقل کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے  
 روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت پر  
 وہ انقلاب آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ جو بڑھو یہاں تک کہ اگر ان  
 میں سے کسی نے اپنی ماں سے بد فعلی کی ہوگی، تو میری اُمت میں بھی ایسے لوگ  
 ہوں گے، جو ایسا کر گزریں گے۔ اُمت بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں پر منقسم ہو  
 گئی تھی۔ اور میری اُمت ۷۲ ملت پر تقسیم ہوگی۔ اور وہ سارے سارے جہنم  
 میں جائیں گے۔ مگر ایک فرقہ بھی رہے گا۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول صلعم  
 وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے جو ان اصولوں پر قائم ہوگا،



کہ جن پر مبنی اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ (رواہ الترمذی) امام احمد اور ابو داؤد حضرت معاویہ سے روایت کرتے ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ اور ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور اس فرقہ کا نام، جماعہ ہے۔ میری اُمت میں ایسی قومیں بھی پیدا ہوں گی کہ جن کو یہ نوپیدا خیالاً اس طرح اڑائیں گے جس طرح کہ دیوانہ گتے کی زبردستی ہوتی ہے۔ باولے گتے کے کاٹے ہوئے کا کوئی رگ و ریشہ نہیں ہوتا کہ جس میں اسکی زبردستی داخل نہ ہو۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو دوزخی ۷۲ فرقے حدیث میں مذکور ہیں وہ کوئی نیا اسلام پیش کریں گے یا اسی اسلام کے دعویدار ہوں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب اسلام کے دعویدار ہوں گے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو اُمت کے لفظ سے بار بار ذکر کیا ہے مگر جو لوگ نیا مذہب پیش کریں گے یہ وہ ہوں گے جو خدا اور رسول کو نہیں مانیں گے اس لئے وہ اُمتِ محمدیہ میں داخل نہیں۔ (پہلی قسم کا نام اہل اجابت ہے اور دوسری کا نام اہل دعوت) اس مقام پر ایک اور مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۷۲ فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم نجات پانے والی (فرقہ ناجیہ) جماعت ہیں۔ اور ہم ہی ما انا علیہ واصحابی کی صیغہ مثال ہیں۔ کیا کوئی یہ عقیدہ ایمان داری سے حل کر سکتا ہے؟ اس لئے اس کے جواب میں اہل سنت و الجماعت بے چین ہوئے اور بارگاہِ الہی میں گڑبڑاٹے تو انکو قرآن مجید کی یہ آیت نظر آئی، فَلَا وَدَّيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكُمْ (سورۃ النساء - رکوع ۹ - پارہ ۵) کہ بخدا وہ لوگ مومن شمار نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو جج نہ مانیں گے۔ اس لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لاجحل سوال میں اپنا جج مان

یا اور فیصلہ ہو گیا۔

کیونکہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام کا یہ لفظ مبارک موجود ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جماعت کا لفظ فرقہ اہل سنت والجماعت کے نام کا اصلی جزو ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے۔ اور جماعت سے مراد ہمیشہ کثرت افراد ہوا کرتے ہیں اور کثرت افراد اہل سنت والجماعت ہی ہیں جو مذاہب اربعہ کے مشرق و مغرب میں مقلد ہیں۔ اور یہ کثرت گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر ایسی روشن ہے جس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

(سوال دیگر) ایک گمراہ فرقہ کا قول ہے کہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور اسی سے مراد اہل حق ہیں۔ اگرچہ ان کے افراد کی قلت ہو۔ ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں جے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ میری امت کو یا بالقائید دیگر امت محمدیہ کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔ اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا، وہ دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ (رواہ الترمذی) ابو بکر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو تو خدا نے مجھے یہ عطیہ بخش دیا (رواہ طبرانی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرتے تو بے دینی کی موت مرے گا۔ (رواہ البخاری)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگرچہ حدیث میں لفظ جماعت یا لفظ



اجتماع مذکور ہے۔ لیکن احادیث میں یہ تصریح موجود نہیں کہ اس سے مراد کثرت افراد ہیں تو ہم اس کے جواب میں یوں کہیں گے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کثیر التعداد جماعت کی تابعداری کرو، ورنہ جو الگ ہوگا، داخلِ جہنم ہوگا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے لئے بھیڑیاء ہے۔ جس طرح کہ بھیڑ بکری کے لئے بھیڑیاء ہوتا ہے اور وہ اس بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریوڑ سے الگ چرتی ہے یا کنارہ کرتی ہے۔ تم ایسی کنارہ کشیوں سے پرہیز رکھو اور عام اہل اسلام اور جماعت کا دامن تمام رکھو (رواہ احمد) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہوگا۔ یوں سمجھو کہ اس نے اسلام کا مجھ آ اپنی گردن سے اتار دیا (رواہ احمد والیوداؤد) یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے۔ بہر حال السواد الاعظم یا العامة لفظ کثرت افراد کی تصریح کر رہا ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کے افراد کی کثرت تمام گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر بالکل واضح اور صاف ہے۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اس مقام پر فرقہ ناجیہ سے مراد اہل سنت والجماعت ہی ہے جو مشہور مذاہب اربعہ کے معتقد ہیں۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)

## ۶. قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان

ان معلومات کے بعد واضح رہے کہ عرب و عجم کی تمام زبانوں میں حقیقت و مجاز کا استعمال موجود ہے۔ خواہ وہ اپنی ہیوں یا بُری، یہاں تک کہ خود کلام الہی میں بھی یہ دونوں موجود ہیں۔ چنانچہ ہم چند آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اَوَّلُ، اَللّٰهُمَّ اَيُّوْنِيْ اَلْاَنْفُسَ حَيِّنْ مَّوْتَهَا (پارہ ۲۴ - سورہ زمر - رکوع ۵) یہ کہ خدا موت کے وقت روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔ پھر فرمایا قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (پارہ ۲۱ - سورہ البقرہ - رکوع ۱) کہ ملک الموت تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مسلط کر دیا گیا ہے، پس تو قی کا تعلق خدا سے حقیقی ہے۔ اور فرشتے سے مجازی۔ دَوْمُ، يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذَّكَرَ (پارہ ۲۵ - سورہ شوریٰ - رکوع ۵) خدا جسے چاہتا ہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول یوں منقول ہے۔ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ نَّبِيٌّ لَا هَبَ لَكَ عِلْمًا ذِكِيًّا (پارہ ۱۶ - سورہ مریم - رکوع ۲) کہ آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کو یوں کہا تھا کہ میں اس لئے تیرے پاس آیا ہوں کہ تمہیں مقدس لڑکا دوں۔ خدا کا ہبہ حقیقی ہے، اور جبرائیل کا مجازی۔ سَوْمُ، قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (پارہ ۲۴ - سورہ الزمر - رکوع ۶) اے میرے بندو! جنہوں نے بے اعتدالی کی ہے۔ رحمت الہی سے ناامید نہ ہو جاؤ اور شیطان سے یوں کہاکہ: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (پارہ ۱۴ - سورہ حمزہ - رکوع ۲) یعنی میرے بندوں پر تیرا تسلط نہ ہو گا۔



پھر فرمایا کہ: **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ**  
**وَإِمَائِكُمْ** ( پارہ ۱۸ - سورۃ نور - رکوع ۴ )

تم اپنے بندوں اور کنیزوں سے نکاح کرو یا کرو ( پس پہلی دو آیتوں  
 میں عبد کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور تیسری آیت میں لوگوں سے تعلق مجازی  
 ہے - چارم، **يُحْيِي وَيُمِيتُ** ( پارہ ۲۷ - سورۃ الحديد - رکوع ۱ )

خدا ہی موت و حیات دیتا ہے - اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں  
 نقل کیا ہے کہ، **وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ** ( پارہ ۳ - سورۃ ال عمران  
 رکوع ۵ ) میں بفضلِ خدا مردے زندہ کرتا ہوں ( تو زندگی دینے کا تعلق خدا  
 سے حقیقی ہے اور حضرت عیسیٰ سے مجازی - نجم، **وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ**  
**يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** ( پارہ ۲ - سورۃ بقرہ - رکوع ۲۶ )  
 خدا جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ  
**وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** ( پارہ ۲۵ - سورۃ شوریٰ  
 رکوع ۵ ) آپ راہِ راست دکھاتے ہیں ( مگر الہی ہدایت حقیقی ہے اور قرآن  
 نبویؐ مجازی ہے - ششم، **يُذَكِّرُ الْأُمَمَ** ( پارہ ۱۱ - سورۃ یونس  
 رکوع ۱ ) خدا کائنات کی تدبیر کرتا ہے - پھر فرمایا کہ، **فَالْمُدَّانَاتِ**  
**أُمُورًا** ( پارہ ۳۰ - سورۃ النازعات - رکوع ۱ ) قسم ہے انکی جو تدبیر کرنے  
 والے ہیں - پہلی آیت میں حقیقت ہے اور دوسری میں مجازہ -  
 ہفتم، **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا**  
**اللَّهُ** ( پارہ ۲۰ - رکوع ۵ ) کہو! جو لوگ یا فرشتے ،  
 آسمان و زمین میں ہیں انہیں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا ؛ لیکن اللہ غضب  
 جانتا ہے - اور حضرت عیسیٰؑ کا حال یوں بتایا کہ آپ کہتے تھے - کہ

وَأُتِيْتُمْ بِمَآثِلِكُم مِّن دُونِهَا وَخُلُوتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ

( پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵ ) میں تم کو سب کچھ بتا دوں گا

جو تم کھاتے ہو یا جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں، پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق

فرمایا کہ آپ دو قیدیوں سے یوں کہتے تھے کہ قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ مُّزْدَقًا

إِلَّا أَنْبَأْتُكُمَا بَيِّنَاتٍ ( پارہ ۱۲ - سورۃ یوسف - رکوع ۵ )

نہیں آئے گی، تمہاری خوراک جو تمہیں دی جاتی ہے۔ مگر میں اس کے آنے

سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی تعبیر کر دوں گا۔) پہلی آیت میں حقیقت دوسری

دو آیتوں میں مجاز ہے۔ ہشتم: حضرت ابراہیمؑ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ آپ

کہتے ہیں کہ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ( پارہ ۱۹ - سورۃ

شعرا - رکوع ۵ ) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے اور

عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ وَأُبْدِي عَمَّالَتِهِمْ وَلَا بُرْصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى

بِإِذْنِ اللَّهِ ( پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵ ) میں مادر زاد

اندھوں اور کوڑھ بیوں کو شفا دیتا ہوں۔ اور خدا کے فضل سے مرعہ

بھی زندہ کر لیتا ہوں۔ پس پہلی آیت میں حقیقت ہے۔ دوسری میں مجاز نہم، فرمایا کہ،

وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ( پارہ ۲۲ - سورۃ یٰسین - رکوع ۵ ) خدا ہی پیدا

کرنے والا اور خوب جانتے والا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کیا

أَنِّي آخِذٌ لَّكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لِكَيْ تَطْفِئُ نَارَ جَهَنَّمَ فَيَكُونَ نُورًا

بِإِذْنِ اللَّهِ ( پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵ ) میں میں سے

پرندوں کی وضع و شکل بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے

فضل سے پرندے بن جاتے ہیں) یہاں بھی پہلے حقیقت ہے پھر مجاز۔ دہم:

فَمَا يَكُ، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ( پارہ ۲۴ -



سورۃ ذاریات - (رکوع ۳) وہی خدا ہر ایک کا رازق ہے۔ اور زبردست قوت کا مالک ہے۔ پھر فرمایا کہ، **وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ ذَا لِيَتَلَىٰ وَالْمَلَائِكِينَ فَاذَرُوا قَوْلَهُمْ مِّنْهُ** (پارہ ۴ - سورۃ نساء دکوۃ ۱) جب میراث تقسیم کرنے کے وقت رشتہ دار یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو رزق دو (یہاں بھی پہلے حقیقت ہے اور پھر مجاز ہے بلکہ ہم فرمایا کہ، **إِنَّ اللَّهَ هُوَ سَمِيعُ الْبَصِيرِ** (پارہ ۲۴ - سورۃ مؤمن دکوۃ ۲) خدا ہی سميع و بصير ہے۔ پھر فرمایا کہ، **إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا** (پارہ ۲۹ سورۃ دھر - رکوع ۱) ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، تاکہ اس کو دنیا کے ابتلاء میں ڈالیں اس لئے اسے سميع و بصير بنا دیا) پہلا سميع و بصير حقیقت ہے دوسرا مجاز۔ الغرض اس قسم کی آیاتِ قرانیہ اور احادیثِ نبویہ بہت ہیں پس جب حقیقت و مجاز کا استعمال قرآن مجید میں موجود ہے تو اگر اسے خدا کے بندے استعمال کر لیں اپنے محاورات میں تو کون سی قباحت ہوگی۔ بہر حال اس اصول پر کئی ایک مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ جو مذاہبِ اربعہ کے مقلدین اور واپسوں کے درمیان زیر بحث اور استدلالی جنگ کا میدان بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے درمیان جو ان کے طریق پر چلتے ہیں۔

# علم غیب

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کا  
حاصل ہونا)

چنانچہ ان میں سے ایک علم غیب کا مسئلہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاصانِ اُمتِ محمدیہ کو حاصل تھا یا نہیں؟

پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانے اور گھروں کے ذخیروں کی خبر غیب دیتے ہیں تو یہ امر کیوں جائز نہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمتِ محمدیہ کے خاص خاص مقرب بندے بھی غیب کی چند خبریں دیں، یا دنیا کے مستقبل کے حالات اور برزخ کے حالات بتائیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کیوں معجزہ نہیں ہو سکتی۔ اور خواص اُمت کے لئے کرامت کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ سوال ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو خود خدا بتا دیتا تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو خدا بتا دیتا تھا۔

اب واضح رہے کہ مسئلہ علم غیب ایک عظیم الشان زیر بحث مسئلہ ہے۔ جس پر علمائے وقت جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور فریقین، فراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے درمیان سخت اختلاف رونما ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو کافر بھی کہہ چکے ہیں۔

کیونکہ ایک فریق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب کُل



اور غیب جزئی اور غیب ماضی و مستقبل ثابت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو ان سب چیزوں کا علم دیا تھا۔

ایک فریق نے سرے سے علم کلی ہی کی نفی کر دی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کو حاصل نہ تھا۔ کیوں کہ علم غیب کلی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور غیب جزئی تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ وہ جب طرح رسول کو حاصل ہے، اس طرح دیوانوں اور چارپایوں کو بھی حاصل ہے۔ (خدا الٰہی عقیدے سے بچائے) یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اظہار ہوتا ہے اور کشاں کشاں بُرے خاتمہ تک پہنچانے والا ہے۔

ایک فریق نے وہ تمام علوم غیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت کئے ہیں۔ جو رسالت اور نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا گزشتہ امتوں اور احوال برزخ یا قیامت کے خوف ناک حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ علم غیب بھی جو عالم بالا اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیئے ہیں۔ اور یہ عقیدہ افراط و تفریط کے درمیان سے ہے، اور تقویٰ کے قریب ہے۔

کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ جو لوگ تمام قسم کے علوم غیبیہ کلی جزئی ماضی حال اور مستقبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ان علوم کے متعلق کیا جواب دیں گے جو شرع میں ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔ مثلاً نجوم، جفر، شعبہ بازی، کہانت، موسیقی، سحر، رمل، یونانی فلسفہ برہنہیات کے متعلق ہے۔ (کیا یہ بھی آپ کو حاصل تھے؟) اور وہ اس کا بھی کیا جواب دیں گے۔ کہ خود خدائے تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ فرمایا

ہے کہ، وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۖ (پارہ ۲۳ - سورۃ یس -

رکوع ۵) ہم نے اپنے رسول کو شعر کا علم نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ علم آپ کے شان کے شایان ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ ۖ (پارہ

۲۹ - سورۃ الحاقۃ - رکوع ۲) آپ جادوگر نہ تھے اور یہ قرآن کسی کاهن کا قول

نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ علوم از قسم غیب نہیں بلکہ از قسم ظاہر

ہیں تو ہم جواب میں پوچھیں گے کہ اگر وہ غیب میں داخل نہیں تو کیا وہ ماکان

و مایکون میں بھی داخل ہیں یا نہیں؟ تو اگر جواب دیا جائے کہ ہاں وہ انہیں

داخل ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ داخل ہوں مگر خدا تعالیٰ نے ذاتِ سات

کو ان علوم کی آلائش سے صاف کر دیا ہوا ہے کیونکہ آپ رسول اُمّی تھے۔ کفار

جادو کا الزام دیتے تھے۔ مگر خدا نے کہا کہ وہ جادوگر نہیں۔ پھر وہ کہانت کا الزام

دیتے تھے کہ جن بھوت کے ذریعہ سے آپ خبریں دیتے ہیں۔ لیکن خدا نے کہا

کہ، وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ ۖ (پارہ ۲۹ - سورۃ الحاقۃ - رکوع ۲)

”یہ قرآن کس کاهن کا قول بھی نہیں“ پھر وہ کہتے تھے کہ کوئی اور آدمی آپ کو یہ قرآن

سکھاتا ہے تو خدا نے جواب میں کہا کہ، لِسَانَ الَّذِي يُلْهِدُ وَنَ الْيَهُ اعْجَمِي

وَهَذَا الْإِنْسَانُ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۝ (پارہ ۱۷ - سورۃ نحل - رکوع ۱۲) ”جس آدمی کی طرف تعلیم

قرآن کو وہ منسوب کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے عربی زبان مانتا ہی نہیں اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے۔“

اگر یوں کہا جائے کہ نہیں یعنی ماکان اور مایکون میں۔ یہ علوم ممنوعہ داخل نہیں تو

ہم پوچھیں گے کہ پھر یہ علوم ممنوعہ کس قسم میں داخل ہوں گے۔

اور منکرین علم غیب ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ جنہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذابِ قبر، سوالِ ملائکہ، قبر کی تنگی کی خبر

دی ہے یا جنہیں آپ نے قبل از وقوع فتوحاتِ اسلامیہ کی خبر دی ہے۔ یا اخیر



زمانہ کی خبریں دی ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسی طرح پیش آیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا اور اس کا کیا جواب ہو گا جو آپ نے قتل کفار کے مقامات قتل جنگ بدر میں بتائے تھے۔ چنانچہ وہیں وہ قتل ہوئے جہاں آپ نے کہا تھا۔ کیا چارپائے اور دیوانے بھی ایسی خبریں دے سکتے ہیں؟ میں نے خود اس آدمی سے سنا ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کر دیا تھا کہتا تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان کی فتح جانتے ہوئے اور بدر میں قتل کفار کی خاص خاص جگہیں جانتے ہوئے تو مسلمانوں کی فتح کے لئے اور قتل کفار کے واسطے سمجھہ میں پڑ کر دعا نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس محروم العقل کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کرنا مسلمانوں کے حق میں خدا کے سامنے تواضع اور اظہار خاکساری تھی۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ حالانکہ خدا نے بتایا ہوا تھا کہ، اِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (پارہ ۲۵۔ سورۃ ذھرف رکوع ۴) آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ تاہم آپ نماز میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے کہ اھدنا الصراط المستقیم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۖ اِلَّا اَمِنْ اَرْتَضٰی  
مِنْ رَّسُوْلٍ (پارہ ۲۹۔ سورۃ جن۔ رکوع ۲) تمہارا خدا عالم الغیب  
ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے  
پھر یہ بھی فرمایا کہ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ  
اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رَّسُوْلِهِ مَنْ يَّشَاءُ ۚ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَّسُوْلِهِ  
(پارہ ۴۔ سورۃ آل عمران۔ رکوع ۱۸) خدا تعالیٰ تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے  
کے قریب بھی نہیں ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے انتخاب کر  
لیتا ہے۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برگزیدہ اور منتخب شدہ رسول نہ

تھے؟ اگر یوں کہا جائے کہ ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی آیت کے استثناء میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپؐ برگزیدہ اور پسندیدہ رسول ہیں جس کا ثبوت اس آیت میں ہے کہ لیکن اپنے رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے۔ کیونکہ آپؐ ہی رسولِ محبت ہیں۔ اگر اس کا انکار کیا جائے تو پھر ہم پوچھیں گے کہ پھر حضور علیہ السلام کے سوا ان دونوں آیات میں کس رسولِ محبت و مرتضیٰ کا ذکر ہے؟ اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ عالم الغیب کے فقرہ کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحیح ہے۔ باعتبار بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت سے وابستہ ہے) اور بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت کے دائرہ سے خارج ہے) اعتبار سے صحیح نہیں۔

کیونکہ بعض مغیبات کا خبر دینا آپؐ سے بالکل صحیح اور روشن ہے۔ مثلاً آپؐ کا عالم برزخ کے متعلق قبر کی تنگی اور منکر نکیر کے سوالوں کی خبر دینا اور نیک بندے کی قبر کا، گزرتک وسیع ہونے اور بدکار پر تنگ ہونے کی خبر دینا یا احوالِ قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونے، وزنِ اعمال پلصراط، حوضِ کوثر، شفاعتِ جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کی آگ کا خبر دینا۔

یا چند معاملات دنیاویہ سے خبر دینا۔ مثلاً بدر میں مشرکین کی قتل گاہیں بتانا، یا حاطب بن بلتعہ کی چٹھی واپس لینا۔ جو اُس نے پوشیدہ طور پر مشرکین کو لکھی تھی۔ یا ابو جہل کو بتانا کہ اس کی مٹی میں کنسکریاں ہیں۔ یا شاہ فارس کے قتل کی خبر دینا خاص اُسی صبح کو جبکہ مارا گیا تھا۔ یا موتِ نجاشی شاہ حبشہ کی خبر دینا۔ پھر مدینہ طیبہ میں اس پر غائبانہ جنازہ پڑھنا۔ یا یہ خبر دینا کہ میکہ اس کا فدا معاہدہ کو کھا گئی ہے۔ جو قریش نے آپؐ کے خلاف لکھ کر بیت اللہ شریف



میں اویزاں کیا تھا۔ یا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینا اور اس کے دور رفیقوں کی خبر دینا جنگ تبوک میں حضرت خالد سیف اللہ کے ہاتھ پر فتوحات کا حاصل ہونا۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کا فتح ہونا یا بکری کے گوشت میں زہر ملائے کی خبر دینا جو یہودیوں نے آپ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ یا آپ کا خبر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذالشدین خارجی کو قتل کریں گے۔ یا اخیر زمانہ میں فتنوں کا پیدا ہونا۔

عزمنیکہ اسی قسم کی غیبی خبریں کئی ایک اور بھی آپ نے دی ہیں جو اس شخص پر غفی نہیں جو علوم اسلامیہ میں مہارت اور واقفیت رکھتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ تو خدا کے بتانے سے آپ نے بتائی ہیں۔ اس لئے یہ خبریں غیب نہیں بلکہ از قسم وحی ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب تھے۔ اور جب یوں کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر کشف کے طور پر آپ نے یہ خبریں دی تھیں۔ تو اس صورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہنا صحیح ہوگا۔ جو مقلد یوں کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام قسم کے غیب کو جانتے تھے۔ یا یوں کہتے ہیں کہ آپ کو تمام ماکان مایکون کا علم غیب تھا۔ تو ان کی مراد بھی وہی علوم غیبیہ ہیں۔ جو تبلیغ رسالت اور منکرین کو لاجواب کرنے یا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات معلوم کرنے کے متعلق ہیں۔ یا ان کی مطیع امت کی نجات اور منکرین کی ہلاکت کے متعلق ہیں۔ یا جو امت محمدیہ کے احوال سے تعلق رکھتے ہیں جو اخیر زمانہ میں پیش آئیں گے۔ یا ان فتنوں کی بابت ہیں جو امت محمدیہ پر آنے والے ہیں یا ان تکالیف کے متعلق ہیں جو ان پر آئیں گی۔ یہاں تک کہ اہل جنت میں چلے جائیں گے۔ اور اہل نار دوزخ میں پڑیں گے۔

مگر ہاں وہ علوم جو آپ کے شان کے شایان نہیں مثلاً علم شعر، جفر، جمل، سیمیا، کیمیا وغیرہ اور وہ علوم کہ جن کا تعلق تبسیخ رسالت سے قطعاً نہیں۔ مثلاً پہاڑوں کے وزن معلوم کرنا۔ سمندروں کے پانی ماپنے کا علم یا بارش کے قطرات کی گنتی یا درختوں کے پتوں کی گنتی۔ اور اسی قسم کے اور علوم کہ جن کے نام بھی ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہیں ان کی تشریح معلوم ہے۔ تو یہ سب قسم کے علوم خاص خدائے خالق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کو پیدا اور فنا کرتا ہے ورنہ کسی انسان کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض غیبیوں کے عالم ہیں تو پھر عالم الغیب کے فقرہ کا آپ پر استعمال کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس صفت کے تمام اقسام بھی اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اتنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے بعض حصے اس میں پائے جائیں۔ کیونکہ جب یوں کہتے ہو کہ زید عالم ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ زید تمام قسم کے علوم دنیاوی، حلال، حرام وغیرہ سب جانتا ہے۔ بلکہ بلا تکلف یہی ذہن میں آتا ہے کہ زید علوم مروجہ کا عالم ہے۔ جو روزمرہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا قول ہے: **إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَ طَٰغِيٍّ** (پارہ ۲۰۔ سورۃ اقصیٰ۔ رکوع ۱) (انسان بیشک اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے)۔ اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں ورنہ کئی ایک مالدار اللہ کے بندے ہو گزرے ہیں۔ بلکہ مالدار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی تھے۔



## ۸۔ ایصالِ ثواب

(حیث کو ثواب پہنچانا)

اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصالِ ثواب کا بھی ہے۔ کہ مُردوں کی روحوں کو اپنے اعمال کا ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ حرام ہے یا ممنوع ہے یا بے فائدہ ہے۔ جس میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اسکے متعلق ان کے خیالات مختلف ہیں۔ بہر حال مانعین کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے اپنی ہی کمائی کام آئے گی۔ اس مسئلہ میں فریقین کے علماء کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ جبکہ دلائل کا ذکر کرنا طوالت ہوگا۔ مگر اس رسالہ کے مصنف عبدِ صغیف نے جب شیخ ابن قیم جوزی حنبلی کا اس مسئلہ میں ایک مضمون دیکھا جس میں انصاف بھرا ہوا تھا۔ تو انہیں نے وہی اختیار کر لیا۔ اور یہی پسند کیا کہ شیخ موصوف کے عقیدہ کیساتھ ان کا مقابلہ کروں۔ کیونکہ مسائل میں شیخ موصوف مخالفین کا ایک مسلم بزرگ ہے۔ اُمید ہے کہ وہ بھی حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ میں شیخ صاحب موصوف رحمہ اللہ کا وہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب ”کتاب الروح“ میں درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ سولہویاں مسئلہ یہ ہے کہ آیا مُردہ کی روح زندہ اعمال سے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یوں ہے کہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ دو طریق سے جن پر اہل سنت کے فقہاء، ائمہ حدیث اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ پہلا طریق یہ ہے کہ مُردہ اپنی زندگی میں اس عمل کا باعث بنا ہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ زندہ مسلمان اس کے حق میں دعاء اور استغفار کریں یا صدقہ خیرات کریں یا حج کریں۔ گواہیں یہ اختلاف ہے کہ مُردہ کو ثواب مال خرچ کرنے کا

ملے گا یا اصل عمل کا ثواب ہو گا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک خود نیک عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اور بعض حنفیہ کے نزدیک نیک عمل پر مال خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور ذکر الہی کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبل اور جمہور سلف کا یہ مذہب ہے کہ یہ بھی پہنچتا ہے اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں کا بھی ہے۔ اور اس فتوے پر محمد بن یحییٰ کمال کی روایت میں یوں تصریح موجود ہے کہ امام احمدؒ کے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے، مثلاً نماز، صدقہ، خیرات یا کوئی اور نیک عمل اور اس کا نصف حصہ اپنے باپ یا اپنی والدہ کے لئے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ صحیح ہے پھر فرمایا کہ میت کو بر چیز (از قم صدقہ وغیرہ) پہنچتی ہے یہ بھی کہا کہ آیتہ الکرسی تین دفعہ اور قل ہو اللہ احد ایک دفعہ پڑھو اور یوں دعا میں کہو کہ یا اللہ اس کا ثواب اہل مقابر کو پہنچے۔

اس امر کا ثبوت کہ جس نیک کام کا مردہ خود باعث اپنی زندگی میں بن چکا ہے اُس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین قسم کے عمل جاری رہتے ہیں۔ اول صدقہ جاریہ، دوم مفید علم، سوم نیک اولاد جو اُس کے حق میں دعا گو رہے لہذا ان اعمال کا استثنا کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل بھی اسی میت کے ہیں کیونکہ وہی ان کا باعث بنا ہے۔ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کے نیک اعمال میں سے موت کے بعد اس کو یہ



عمل پہنچتے ہیں۔ اول جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ دوم نیک اولاد جو اپنا جائزین بنا گیا۔ سوم قرآن مجید جو ورثہ میں چھوڑ گیا۔ چہارم مسجد جو اس نے بنائی۔ پنجم سرانے جو مسافروں کے لئے تیار کی۔ ششم نہر جو اس نے کھدائی۔ ہفتم صدقہ جو اپنی زندگی میں بحالتِ صحت الگ کر چکا ہے۔ یہ موت کے بعد اسے پہنچے گا۔ (مختصر طور پر یہ مضمون ختم ہوا)

اور یہ امر کہ جس چیز کا باعث وہ مردہ نہیں بنا۔ اس کا ثواب یا نفع بھی اسے پہنچتا ہے تو اس کا ثبوت قرآن، حدیث، اجماع اور اصول شرع سے ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ، **وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ**۔ (پارہ ۲۸ - سورہ حشر - رکوع ۱) ”جو مسلمان پہلے مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش، جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔“ دیکھو خدا تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے جو اپنے پہلوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں اور اجماع اُمتِ محمدیہ سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں میت کیلئے دعا کرنے سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو خلوص دل سے اس کے لئے دعا کرو۔ اور صحیح مسلم میں عوف بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنازہ پڑھا۔ اس میں آپ نے میت کے لئے جو عافرمائی تمنایں کی وہ یاد کر لی۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ یا اللہ اسے بخش دے اور اس پر رحم کر اور اسے سلامتی دے۔ اس کے قصور معاف کر۔ اپنے پاس عزت و اکبر کے ساتھ اسے فروکش کر اور اپنی بارگاہ میں اس کا داخلہ وسیع کر۔

## صدقے کا ثواب پہنچانا

صدقہ کا ثواب پہنچانا اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور کہا کہ میری ماں مر گئی ہے اور وصیت نہیں کر سکی۔ مجھے خیال ہے کہ اگر بول سکتی تو صدقہ صدقہ کرتی۔ تو کیا میں اگر صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملیگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں مر گئی اور وہ غیر حاضر تھا۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ میری ماں میری غیر حاضری میں مر گئی ہے تو اگر میں اسکی طرف سے وکیل بن کر صدقہ کروں تو کیا اسے کچھ فائدہ ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں فائدہ ہوگا۔ پھر سعد نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ میرا بار و دربار اسکی طرف سے صدقہ ہے۔ اور یہی حدیث سنن میں ہے اور سند احمد میں بھی سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں ام سعد مر گئی ہے۔ تو آپ فرمائیے کہ کس قسم کی خیرات اسکی طرف سے افضل ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ پانی کی خیرات افضل ہے۔ پھر اس نے ایک کنواں بنوایا اور کہا کہ یہ کنواں میری ماں ام سعد کا ہے۔

## روزے کا ثواب پہنچانا

ربا روزہ کا ثواب پہنچانا تو اس کے متعلق بھی صحیحین میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مر جائے اور اس کے ذمہ پر روزے باقی ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے



اور یہ بھی صحیحین میں ہی روایت ہے کہ ایک آدمی حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ماں مر گئی ہے۔ اور اسکے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی ہیں تو کیا میں اسکی طرف سے قضا کروں تو آپ نے فرمایا ہاں قضا کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں مر گئی ہے اور اس کے ذمہ پر نذر کے روزے باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں روزے رکھوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم یہ خیال کرو کہ اگر اس کے ذمہ پر قرضہ ہوتا تو تو اُسے ضرور ادا کرتی، تو کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا یا نہ ہوتا۔ کہنے لگی ہاں وہ تو ادا ہو جاتا۔ تو پھر آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے بھی رکھو (یہ لفظ بطور تعلیق کے صرف بخاری میں ہیں)

## حج کا ثواب پہنچانا

رہا ثواب حج کا پہنچنا۔ تو اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیحین میں موجود ہے کہ قبیلہ جُہینہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں نے نذرمانی تھی کہ حج کروں گی۔ مگر وہ حج نہیں کر سکی اور مر گئی۔ تو کیا میں اسکی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا، اسکی طرف سے حج کر۔ پھر فرمایا کہ تم خود سمجھو کہ اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو تو اسکی طرف سے ضرور ادا کرتی۔ اس لئے خدا کا قرضہ بھی ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرضہ ادا کرنا تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا اپنے بیٹے کے متعلق کہ وہ مر گیا ہے۔ اور حج نہیں کر سکا۔ تو آپ نے فرمایا تو پھر تم اسکی طرف سے حج کرو (انتہی مختصراً)

اس کے بعد شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ میت کا قرضہ بعد میں ادا کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ادا کرنے والا کوئی بیگانہ ہو یا اس کے مال متروک سے بھی ادا نہ کیا جائے اور حدیث قتادہؒ کی اس کا ثبوت دیتی ہے کہ اس نے ایک میت کی طرف سے دو دینار کی ضمانت دی تھی اور جب ادا کر دیئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تو نے اس کے جسم کو ٹھنڈا کیا ہے۔

## قرآن مجید کا ثواب پہنچانا

اب رہی تلاوت قرآن، تو اس کے متعلق بھی شیخ موصوف نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے آغاز میں مسئلہ اول کہہ کر بیان کیا ہے۔ کہ سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کے پاس قرآن مجید پڑھا جائے۔ شیخ عبدالحق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میری قبر کے پاس سورۃ بقرہ پڑھی جائے اور مجوزین میں سے ایک حضرت علی بن عبدالرحمان بھی ہیں اور حضرت احمد بن حنبلؒ جب تک کہ آپ کو کسی صحابی کا عمل معلوم نہ تھا۔ اس کے منکر تھے۔ پھر آپ نے رجوع کر لیا اور جناب خللال اپنی جامع میں یہ عنوان دیکر کہ قبر کے پاس تلاوت قرآن جائز ہے لکھتے ہیں۔ کہ عباس بن محمد دوری نے ہمیں بتایا تھا کہ یحییٰ بن معین نے ہمیں بتایا تھا کہ معشر بن علی نے کہا ہے کہ عبدالرحمن بن علاء بن حلاج اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ جب میں مری جاؤں تو مجھے لحد میں رکھتے ہوئے یوں کہو بسم اللہ



علیٰ سنت رسول اللہ۔ پھر مجھ پر مٹی ڈالتے جانا اور میرے سر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہوا ہے کہ آپ یوں کہا کرتے تھے۔

اس کے بعد کہ شیخ موصوف عقلی اور نقلی دلائل دے چکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ تصریحات اس امر پر متفق ہیں کہ جب زندہ میت کی طرف سے کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور عقل کا مقتضی ابھی یہی ہے کہ گو ثواب عمل کرنے والے کا حق ہے۔ مگر جب وہ اپنے مسلم بھائی کو بخش دیتا ہے تو کوئی ممانعت نہیں ہوتی جس طرح کہ اس امر کی ممانعت نہیں کہ اس کی زندگی میں اپنا کچھ مال بخش دے یا اس کی موت کے بعد اس کو مال کی ادائیگی سے بری اللہ کر دے۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبردار کر دیا ہے۔ کہ روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حالانکہ وہ روزہ صرف ترک اکل و شرب اور نیت کا نام ہے۔ اور نیت کا تعلق صرف دل سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ اور یہ روزہ کوئی مخصوص قسم کا عمل نہیں اور آنحضرت علیہ السلام نے یہی بتا دیا ہے کہ قرأت قرآن کا ثواب بھی بطریق اولیٰ پہنچتا ہے جو زبان کا عمل ہے اور اسے کان سنتے ہیں۔ اور انکو دیکھتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ روزہ صرف نیت ہے۔ اور روزہ شکن امور سے اپنے نفس کو روکنے کا نام ہے۔ اور خدا اس کا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے۔ تو بھلا قرآن قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا۔ جو عمل اور نیت سے مرکب ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس میت کو روزہ کے ثواب کے پہنچنے میں اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی اعمال کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔

اب عبادات دو قسم کی ہیں۔ مالی اور بدنی اور تیسری ان کے مرکب

کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے ثواب صدقہ کے پہنچنے میں باقی عبادات مالیہ کے پہنچنے پر اشارہ کر دیا ہے۔ اور روزہ کے ثواب پہنچنے میں آپ نے اشارہ کیا ہے کہ تمام عبادات بدنہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور آپ نے حج کے ثواب پہنچنے کی بھی خبر دی ہے۔ جو عبادات مالی اور بدنی سے مرکب ہے۔ پس تینوں قسم کا ایصالِ ثواب نص اور قیاس شرعی سے ثابت ہو گیا  
وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ۔

پھر شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ،  
وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَآ سَعٰی (پارہ ۲۷ - سورۃ النجم - رکوع ۲)  
خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے کمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ  
لَا تَعْزُوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پارہ ۲۳ - سورۃ یحییٰ - رکوع ۴)  
”تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے“ پھر فرمایا کہ، لَهَا مَا كَسَبَتْ  
وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ (پارہ ۳ - سورۃ البقرہ - رکوع ۷) ”و انسان  
نفس کیلئے وہ نیک عمل کام آئیگا جو اس نے کمایا ہوگا۔ اور اس پر اس بد عملی کا بوجھ  
پڑیگا جو نفس پروری کیلئے اس نے کمائی ہوگی“ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان  
مرتا ہے تو اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین صورت کے کہ صدقہ جاریہ ہو  
جو اس کے نام پر چلتا رہے۔ یا اولاد نیک ہو جو اسے نیک دعائے۔ یا مفید تعلیم  
ہو جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے وہ  
اعمال نافع بتائے ہیں کہ جن میں بحالتِ حیات خود انسان کی اپنی کوشش کا کچھ  
دخل ہو اور جن میں اس کا کچھ دخل نہیں وہ عمل ضرور بند کیے جائیں گے۔

اس کے بعد شیخ موصوف نے ان کے عقائد کے دلائل بیان کئے  
ہیں اور مجوزین ایصالِ ثواب پر ان کے اعتراضات لکھے ہیں۔ پھر جو ایصالِ ثواب



کے قائل ہیں انہوں نے مخالفین کو یوں خطاب کیا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اس میں ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو ہماری تحقیق کے مخالف ہو۔ جو ہم نے کتاب و سند اور اجماع سلف صالحین اور نتائج قیاس شرعیہ سے پیش کی ہے۔ کیونکہ یہ آیت کہ لیس للانسان الا ما سعی مفسرین کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اس انسان سے کیا مراد ہے۔

ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر انسان ہے اور مومن انسان کیلئے اسکی اپنی کمائی بھی مفید ہے۔ اور وہ کمائی بھی مفید ہے جو غیر کی طرف سے اس کے لئے کی جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے۔ دینہ ہماری شریعت میں تو اپنی اور غیر کی کمائی دونوں ثابت ہیں۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ (لام بمعنی علی ہے) اور اس کا یہ معنی ہے کہ انسان کا نقصان اسی کی کمائی سے ہوگا۔ غیر کی بدعملی سے اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔

ایک فریق کا خیال ہے کہ اس مقام پر (او سعی لہ) مقدر ہے۔ تو اصل آیت یوں ہوگی کہ ، لیس للانسان الا ما سعی او سعی لہ۔

ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت ہی منسوخ ہے۔ اس آیت سے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد ایمان لانے میں ان کی تابع ہے تو ہم ان کی اولاد کو ان میں ہی شامل کر دیں گے۔ اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے مراد زندہ انسان ہے مہرہ

انسان مراد نہیں۔

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلیں آیت کے عام لفظ کو بری طرح بگاڑتی ہیں۔ اس لیے ہم ان کو پسند نہیں کرتے۔ پھر ایک اور جماعت کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جواب ابو الوفا بن عقیل کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا ہے کہ بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے۔ بچے پیدا کر لیتا ہے، بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ غیر سے بھلائی کرتا ہے۔ اور لوگوں سے دوستاں گنھتا ہے۔ تو لوگ اس پر رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں۔ تو یہ سب اسی کی کوشش کا نتیجہ ہوگا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر خواہش وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے۔ اس کی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے۔ مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لئے اسے تکمیل کی ضرورت بھی باقی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان سے اور خدا و رسول کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ اٹھانے میں کوشش کرتا ہے۔ جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے ہوتے ہوئے ان کے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے لیے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔ جس میں ملکر شریک کار ہوں جسے باجماعت نماز ادا کرنا وغیرہ۔ پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری کا معاہدہ قائم کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے۔ اس امر کا کہ ہر مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ پھر شیخ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے ایمان کی وجہ سے اپنے حق میں دعائے خیر لینے کا باعث ہوتا ہے۔ تو گویا یہ دعا بھی اسی کی کوشش ہے۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عبادت کو اس امر کا سبب بنایا ہے



کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس سبب کے پیدا کرنے میں کوشش کرتا ہے۔ جس کے طفیل سے وہ فائدہ اسے پہنچایا جاتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔ جو آپؐ نے عمرؓ و بن عباسؓ کو فرمایا تھا جب کہ اس کا باپ بحالت کفر مر گیا اور اس نے اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا کہ اگر وہ تو عید کا قاتل ہو جاتا تو یہ غلام آزاد کرنا اسے مفید پڑتا جو اسکی موت کے بعد اسکی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اسکو غلام آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ بطریق جواب بہت لطیف اور خوب ہے۔ اب وہ تمام مضمون مختصر طور پر یہاں ختم ہو گیا ہے۔ جو شیخ ابن قیم جوزی نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے سولہویں مسئلہ میں درج کیا ہے۔

اب عبد ضعیف (مؤلف رسالہ نذا) کہتا ہے کہ اگر تم کسی سے بچو کہ دو کہ تیرے پاس تو صرف دنیاوی مال وہی ہے جس کے تم اب مالک ہو۔ مگر کسی نے اگر اس کے بعد اسے بہت مال دیدیا تو اس واقعہ سے تمہارا وہ پہلا کہنا غلط نہ ہو گا کہ تم صرف اتنے مال کے ہی مالک ہو۔ جواب تمہارے پاس ہے۔

## ۹، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت و بشریت

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ جو شخص آپ پر بشر کا لفظ استعمال کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کی توحیدین ہوتی ہے۔ کیونکہ کافر ہتک کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتے تھے کہ تم آخر بشر ہی ہو۔

ایک فریق کا قول ہے کہ آپ ہمارے جیسے ہی بشر تھے کیونکہ آپ کو خدا نے حکم دیا ہے کہ آپ کہیں کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ اور ہمارے نزدیک آپ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وجہ سے ان لوگوں نے رسول کو بڑا بھائی بنایا ہے کیونکہ اگر اس بڑائی سے مراد پہلے زمانہ میں ہونا مراد ہے تو ابولہب کو زیادہ مستحق ہے کہ ان کا بھائی بن جائے۔ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین پہلے زمانہ میں ان سے متفق ہو کر کرتا ہے۔ اور اگر بڑائی سے مراد مرتبہ کی بڑائی ہے یا قرب الہی کی بڑائی مراد ہے۔ تو ان کو حضور علیہ السلام کوئی بھی تناسب حاصل نہیں ہے۔ اور اگر ان کی مراد اسلامی برادری ہے تو پھر بڑا بھائی کہنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ تمام مومنین چھوٹے بڑے یکساں بھائی ہیں۔ بہر حال یہ دونوں فریق افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تشریح لوں کی جانے کے لئے بشر اولاد آدم علیہ السلام کا نام ہے۔ جس کے معنی انسان ہے۔ خدا نے آدم کو بھی بشر کہا ہے۔ چنانچہ خدا نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کروں گا۔ اور



نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آدم علیہ السلام کی ہی اولاد ہیں۔ اور جب باب بشر ہے تو بیشا بھی ضرور بشری ہوگا۔ مگر اس کے علاوہ بشر کے اور اوصاف اور خاصیتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ قرب الہی تک پہنچتا ہے۔ اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو فرشتوں سے بھی افضل ہوگا۔ اور اگر بارگاہ الہی سے دوری کے گڑھوں میں گر گیا تو شیطان سے بھی زیادہ رذیل ہوگا۔ تو انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً خدا کے فضل و کرم سے قرب الہی کے اعلیٰ درجات پہنچ چکے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ تو قاب قوسین اودانے کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا کا فضل آپ پر بے حد تھا باوجود اس قرب الہی کے پھر بھی آپ بشر اور انسان ہی ہیں۔

اب یہ بحث باقی ہے کہ قرآن شریف میں جو مشکل آتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی حقیقت میں اشتراک کی وجہ سے آپ کو دوسروں سے مساوات حاصل ہے۔ مگر بشر کی خصوصیات اور اعلیٰ صفات میں ان سے الگ ہیں اور مساوات فی البشریہ کیلئے صرف ایک وصف بھی کافی ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ آپ باقی صفات کاملہ میں بھی دوسروں کے مساوی ہوں یا وہ آپ کے مساوی ہوں جیسا کہ تم یوں کہتے ہو کہ زید شیر ہے تو تمہارا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ زید شیر کے ساتھ شجاعت میں مساوی اور شریک ہے۔ باقی صفات شیر میں شریک نہیں کیونکہ شیر وحشی جانور ہے۔ اور زید انسان ہے ایک مشہور ضرب المثل میں خوب کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تو ہیں مگر عام بشر کی مانند نہیں بلکہ آپ یا قوت کی طرح ہیں کہ وہ بھی پتھر تو ہوتا ہے مگر اسے یا قوت کہتے ہیں۔ پتھر نہیں کہتے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام سے بشریت کی نفی کیوں

کرتے ہیں حالانکہ بشریت ہی آپ کی رسالت کی تصدیق اور آپ کے معجزات اور خرق عادات کی تصدیق کا سبب ہے۔ کیونکہ انسان سے جب معجزات صادر ہوں یا خرق عادات تو یہی تصدیق رسالت کا سبب بنا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ سب کچھ فرشتوں سے صادر ہوں یا جن اور شیطان سے پیدا ہو تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ خرق عادات فرشتوں اور شیاطین سے ایک مسئلہ اور عادی امر ہے۔ بلکہ معجزہ اور خرق عادات کی حقیقت ہی انسان سے تعلق قائم کرنے کے ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے کہ دوسرے انسان انبیاء علیہم السلام کے بغیر ایسا کرنے سے عاجز ہوا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر معجزہ کو خرق عادات کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی معجزہ بنی آدم کی روزمرہ عادات کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ وہ معجزہ فرشتوں یا شیاطین کی طاقت سے بھی باہر ہوتا ہے۔

صوفی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نور ہیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ، **قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ** ○  
(پارہ ۶ - سورۃ مائدہ ۵۵ - رکوع ۳) اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور روشن کتاب (قرآن مجید) لایا ہے۔ اس لئے آپ کو بشر کہنا صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہمیں بھی تسلیم ہے کہ وہ ہمارا بھی ایمان ہے کہ آپ نور ہیں مگر نورانیت انسان اور بشری کیلئے تعریف کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ وہ کثافت بشری سے نکل کر اصلی نورانیت کے بلند مراتب پر ترقی کر جائے اور جب انسان کے بغیر اگر کوئی (مثلاً فرشتہ) نورانیت سے موصوف ہو جائے تو اس کی یہ تعریف شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ نورانیت اس میں فطرتی ہوتی ہے۔ بعد میں حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ، **وَالْقَمَرُ نُورًا** (پارہ ۱۱ - سورۃ یونس - رکوع ۱) ”ہم نے چاند کو نور بنایا۔“ تو چاند نے کثیف مادہ سے نورانیت کی طرف





## ۱۰. غیر اللہ کی تعظیم

مختلف فیہ مسائل میں سے غیر اللہ کی تعظیم بھی ہے۔ چند لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم شرک ہے یا کفر ہے یا بدعت ہے۔ اس میں ان کی رائیں مختلف ہیں۔ مؤلف رسالہ ہذا کہتا ہے (خدا اے اس امر کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے) کہ میں اس رسالہ سے پہلے کئی سال ایک کتاب تصنیف کر چکا ہوں۔ جس کا نام ہے ”در الاصول الاربعہ فی نزدیک الوبالیمہ۔“ جس میں کئی باب ہیں اور ایک خاص باب اس عنوان سے لکھا ہے کہ ”باب اول غیر اللہ کی تعظیم میں“، اور وہ کتاب چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے اور عجات مخالفین کے اہل علم کے پاس پہنچ چکی ہے۔ کہ ناہم مخالف کہتا ہے کہ غیر اللہ میں بت اور صورتیاں بھی داخل ہیں ایسے تم انکی بھی تعظیم کیا کرو۔ حالانکہ یہ صحیح ہے۔ کہ بتوں کی تعظیم شرک ہے۔ اور جواب میں میں کہتا ہوں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ جمیع غیر اللہ قابل تعظیم ہیں تاکہ اس میں بت بھی شامل ہوں۔ کیا خدا تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ لَکَفٰرٌ اَنْزَاہُ اسْتَغْنٰی (پارہ ۳ سورۃ اقصیٰ - رکوع ۱) ”انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ خود مالدار رہے تو کیا انبیاء علیہم السلام نوع انسانی میں داخل نہیں ہیں؟ اگر میں تو ان پر سرکشی کا حکم کیسے صحیح ہو گا۔ خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ، یٰۤاٰیُّہَاۤ اٰدَمُ خُذْ زَوْجَکَ وَیٰۤاٰیُّہَاۤ اٰدَمُ کُلْ مِمَّا رَزَقَکَ مِنْ حَیۡثُ شِئْتَ وَارْجِعْ اِلٰیَّ ۝۸ (پارہ ۸ - سورۃ اعراف - رکوع ۳) ”اے بنی آدم ہر مسجد اور نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرو تو کیا کفار بنی آدم میں داخل نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ہر ایک نماز میں انکی زینت کیسے ہوگی۔ غرضیکہ اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔ چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے کہ خدا نے



کہا ہے کہ، قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرُهُ ( پارہ ۲۰ - سورۃ عبس -

رکوع ۱ ) ”انسان بڑا کافر ہے، جس سے مراد تمام انسان نہیں۔“ اس کے سوا اور بھی کئی ایک مثالیں ہیں۔ پس اگر غیر اللہ کے عام لفظ میں مبت داخل ہیں۔ تو انبیائے معصوم بھی طغیان میں داخل کرنے پڑیں گے۔ اور کفار بھی ان کے خیال میں داخل صلوٰۃ ہوں گے۔ تو جو جواب تم دو گے وہی جواب ہم دیں گے۔ مگر ہاں بعض غیر اللہ وہ بھی ہیں جن کی تعظیم کا حکم خود خدا نے دیا ہے اس لئے انکی تعظیم واجب ہوگی۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ، ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝

( پارہ ۱۷ - سورۃ الحج - رکوع ۴ ) ”جو خداوندی یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے۔ تو یہ تعظیم ان کے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔ کوہ صفا اور کوہ مروہ بھی اللہ کی یادگار ہیں۔ چنانچہ صافات لفظوں میں خدا نے کہا ہے کہ بیشک صفا و مروہ اللہ کے شفاثر ہیں سے جو کہ حرم مکہ کے قریب دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ بڑے جانور ( اونٹ اور گائے ) خدا نے تمہارے لئے اپنی یادگار بنائے ہیں۔ مزدلفہ اور مٹی بھی شفاثر اللہ ہیں۔ چنانچہ خدا نے کہا ہے کہ مشعر حرام ( مزدلفہ دمنی ) میں اللہ کا ذکر کرو۔ ارے یہ تو بتاؤ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود کو کیا نہیں بوسہ دیا کرتے تھے؟ تو کیا بوسہ دینے میں تعظیم نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خود والدین کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی کہا ہے کہ، فَلَا تَقُلْ لَهُمْ ءَاثٌ وَلَا تَنْهَهِمْ عَنْ قُلُوبِهِمْ مَا قَوْلًا كَرِيمًا ( پارہ ۱۵ - سورۃ بنی اسرائیل - رکوع ۳ ) ”اے انسان تو اپنے ماں باپ کو ان کے جواب میں یہ بھی کہو کہ ( اُف ) میں تمہارے کہنے سے بیزار ہوں بلکہ ان پر آواز نہ کٹنا اور ان سے بات کہنی ہو تو انسانیت کٹنا۔ پھر کہا

کہ، اِنْ شُكِرْتُمْ وَاِذَا الْاِذَا ذِکَّ ( پارہ ۲۱ - سورۃ لقمن - )  
 رکوع ۲) اے انسان میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر یہ ادا کر  
 اب بتاؤ کہ کیا ان دونوں آیتوں میں والدین کی تعظیم کا حکم نہیں؟ یہ بھی  
 کہا کہ لَا یَسْتَهْزِئُ بِالْاٰلِ الْاُمِّیَّہِمْ ( پارہ ۲۷ - سورۃ الواقعة - رکوع ۲) "قرآن مجید پاک ہی ہاتھ  
 لگائیں۔" تو کیا اس میں قرآن کی تعظیم نہیں؟ پھر کیا کہ، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ  
 وَلِرَّسُوْلِهِ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ( پارہ ۲۸ - سورۃ المنافقون - رکوع ۱)  
 "اللہ اور رسول اور مومنین کیلئے عزت ہے" تو کیا اس آیت میں رسول  
 اور مومنین کی تعظیم نہیں بتائی گئی؟ پھر خدا تعالیٰ نے کہا کہ، یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ  
 اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا  
 اِلَیْہِ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطْ اَعْمَالُکُمْ  
 وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ( پارہ ۲۶ - سورۃ الحجرات - رکوع ۱)  
 "وہ نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور کوئی بات نبی سے کہنی ہو تو  
 گتخی سے ادنیٰ آواز نہ کیا تھمت کہو جو طرح کہ تم ایک دوسرے کو کہہ لیتے  
 ہو، ورنہ تمہارے نیک عمل سب ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ لگے  
 گا۔" تو کیا اس آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم مذکور  
 نہیں؟ اس قسم کی اور بھی بہت آیات ہیں۔ اور احادیث بھی اس مضمون کے  
 متعلق بہت ہیں۔ پس اگر تم مذکور الصدر مخلوق کی تعظیم کا وجوب تسلیم کرتے  
 ہو تو تمہارے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہو گا۔ کہ غیر اللہ کی تعظیم حرام ہوتی ہے  
 بالضرر اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے تو آپ ہمیں آیت مذکورہ بالا کا مطلب سمجھائیے  
 کہ کیا ہے؟ اور اس آیت کا مطلب بھی بتادیں کہ کیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ،  
 لَتَوْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَّسُوْلِہِ وَتَعَزَّوْا وَتَقَرُّوْا ( پارہ ۲۶ )





میں کہا کہ، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ  
(پارہ ۲۸ - سورۃ منافقین - رکوع ۱۴) » عزّت تو اللہ اور رسول کی ہے  
اور مومنین بھی ذی عزت ہیں۔ « اب دیکھیں کون نکلتا ہے؟ بیچ بتاؤ جس کو  
خدا واجب التعظیم ٹھہرائے اسکی توبین کرنا کس مسلمان کا کام ہے۔

کیا تم مخالفین نے رسول علیہ السلام کا یہ حکم بھی نہیں سنا کہ  
جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ لڑائی سے واپس آئے تھے تو آپ نے  
انصار سے کہا تھا کہ اپنے سردار کا کھڑے ہو کر استقبال کر دو یہ قیام تعظیمی تھا۔  
اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ حکم اس لیے تھا کہ آپ بیمار تھے تاکہ گھوڑے  
سے آپ کو آرام اتاریں۔ ورنہ تعظیم کے لئے یہ حکم نہ تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ اس واقعہ  
کے متعلق سلسلہ کلام اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر گھوڑے پر سے اُتارنا  
مراد ہوتا تو یوں کہنا مناسب تھا۔ کہ ارے فلاں آدمی اٹھو اور ان کو گھوڑے  
سے اُتارو۔ یا یوں حکم ہوتا کہ ارے فلاں وفلاں تم دونو اٹھو اور سعد کو گھوڑے  
سے اُتارو۔ مگر یہاں تو جماعت کو مخاطب کیا ہے۔ اور سعد کو سید کہا ہے  
اور یہ سید کا لفظ سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں باوازد بلند لپکارتا ہے کہ آپ نے  
جو فرمایا تھا کہ اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس سے مراد حضرت سعد کی  
تعظیم و توقیر تھی۔ پھر کیا مخالفین کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کے دربار میں صحابہ  
رضی اللہ عنہم ایسے متواضع ہو کر بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے  
ہیں۔ اب خدا جے چاہے راہِ راست کی ہدایت کرے۔



## ۱۱. مُردوں کا سننا

مختلف فیہ مسائل میں سے سماع موتی کا مسئلہ بھی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور ثبوت یہ دیتے ہیں کہ خدا نے حضور علیہ السلام سے کہا ہے کہ، **إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمَعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا أَوْكُوا مُدْبِرِينَ** ○ (پارہ ۲۰ - سورۃ نمل - رکوع ۶) ”اے آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور یہ بھی کہا کہ، **إِنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ** ○ (پارہ ۲۲ - سورۃ فاطر - رکوع ۳) ”اے آپ اُن مُردوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں۔

اور ہم جواب میں یوں کہتے ہیں کہ مُردوں اور قبر والوں سے مراد یہاں کفار ہیں (جو کہ زندہ درگور ہیں) اور سننے سے مراد تصدیقی سننا ہے۔ اور اس امر کا ثبوت کہ یہاں سننے سے مراد تصدیقی سننا ہے، یہ ہے کہ کفار کے کانوں میں بہر اپن نہ تھا کہ حضور علیہ السلام کا کلام نہ سُن سکتے۔ پس وہ اگرچہ بظاہر سنتے تھے۔ لیکن تصدیقی سننے سے محروم تھے۔ اسی محاورہ کے مطابق ہے نمازی کالیوں کہنا کہ **سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ** خدا اس کی بات مان لیتا ہے جو اُس کی تعریف کرتا، یہاں بھی تصدیقی سننا مراد ہے۔ اس طرح یہ محاورہ بھی ہے کہ میں نے امیر کو اپنی حاجت روائی کیلئے پکارا مگر اس نے ایک نہ سنی، یعنی میری پکار کو منظور نہیں کیا۔ پس دونوں آیتوں میں مُردوں کے نہ سننے کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ انہیں سماع موتی کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ یہاں کفار کو مُردوں سے مساوی مانا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سنتے تھے اور وہ نہیں سنتے تھے تو یہ مساوات کیسے ہوگی؟ تشبیہ تب ہی صحیح ہوگی کہ دونوں بظاہر سنتے تسلیم کیے جائیں سو حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کفار

لٹا ہر سنتے ہیں تو مُردے بھی بظاہر سُنتے ہیں مگر تصدیقی سنا دونوں میں نہیں۔  
کیونکہ کفار انکار قلبی کیوجہ سے اس سے محروم ہیں۔ اور مُردے اس سے اپنے  
محروم ہیں کہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو گویا وہ بھی نہیں سنتے۔

اب دونو آیت کا مفہوم یوں ہے کہ آپ تو ان کو نہیں سنا سکتے  
مگر خدا انکو سنا دیکھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ آپ تو اسے ہدایت نہیں دے  
سکتے جسے آپ پسند کریں۔ لیکن خدا جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے  
اور قرآن مجید میں اسکی تصریح بھی موجود ہے۔ کہ خدا جسے چاہے سنا دیتا ہے  
اور آپ اہل قبور کو نہیں سنا سکتے۔

اب ہم اصل مسئلہ سماع موتی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں  
کہ سُننا، دیکھنا، بولنا، حملہ کرنا، چلنا اور تمام خود اختیاری فعل روح انسانی  
کافر میں ہیں کہ جب تک انسان زندہ رہے اسکی روح حواس اور بیرونی اعضاء کے  
امداد سے وہ فرائض ہم پہنچائے اور موت کے بعد اس کافر میں ہے کہ بغیر امداد  
حواس اور بیرونی اعضاء کے یہ سب کام کرے۔ اسکی مثال نقیہ ہے۔ کیونکہ نیند  
کی حالت میں تمام حواس معطل ہو جاتے ہیں، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی اور بیرونی  
اعضا بھی کام سے رہ جاتے ہیں۔ مگر روح حسبِ دستور چلتی ہے اور سنتی ہے، دیکھتی ہے، بولتی ہے  
بولتی ہے، حملہ کرتی ہے، لذت چیزوں سے لذت بھی اٹھاتی ہے اور موزی اشیاء  
سے تکلیف بھی پاتی ہے۔ پس ثابت ہوؤ کہ زندہ کی روح بحالتِ نوم اگرچہ  
جسم میں مقید ہے۔ سب کچھ کر لیتی ہے تو مُردہ کی روح جو جسمانی قید سے رہا  
ہو چکی ہے۔ کیسے ان افعال پر قادر نہ ہوگی۔ جن پر کہ بقیدِ جسمانی قادر تھی۔ اسی بنا  
پر کہا گیا ہے۔ کہ نیند موت کے برابر ہے۔

اور ارواح کفار کے جو دوزخ کے قیر خانوں میں قید ہیں وہ ان



امور کے دریافت کرنے سے غروم رہتے ہیں۔ اور اپنی بد عملی کے بد نتائج  
 میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی طرح گنہگاروں کی روہیں بھی جب تک کہ خدا  
 ان پر رحم نہیں کرتا۔ اپنے عذاب میں مصروف و مبتلا رہتے ہیں۔



## ۱۲ بارگاہ الہی میں وسیلہ لینا

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک تو سئل کا مسئلہ بھی ہے کہ آیا اللہ کے نیک بندوں کی روحوں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے؟ اور اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ انسان اپنے خدا کو پکارے اور بارگاہ الہی کے صالح بندوں میں سے کسی ایک کو اپنا وسیلہ بنائے۔ مثلاً یوں کہے کہ یا اللہ میں تیری بارگاہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مہارک کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ فلاں شیخ کی روح کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یہ صورت بلاشبہ جائز ہے، تمام اُمتِ محمدیہ کے نزدیک۔ ہاں اسکا وہ مخالف ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کیا ہوا ہے اور اس کے کان اور آنکھ پر مہر کر دی ہے۔ اور ہمیں خدا نے تعالیٰ نے اس آیت سے ہدایت کا راستہ بتا دیا ہے کہ، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** (پارہ ۶ - سورۃ مائدہ - رکوع ۶)

”اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، خدا کے عذاب سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ نجات طلب کرو“، اس آیت میں وسیلہ طلب کرنے سے پہلے یہ لفظ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ اس میں اشارہ ہے کہ خدا کی مقدس بارگاہ میں وسیلہ طلب کرنے پر شوق دلایا گیا ہے۔ اور اسے واجب قرار دیا گیا ہے اور عباد اللہ کے وسیلہ پیش کرنے سے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ دنیاوی اکابر سے عموماً اپنی حاجت طلب کرتا یوں ہی ہوتا ہے۔ کہ ہدیہ یا تحفہ کو وسیلہ بنایا جائے یا کسی مقرب کی سفارش پیش کی جائے جبکی عزت اُس بزرگ کے دل میں ہو۔ علیٰ ہذا القیاس عالم الغیب خدا بادشاہ کے دربار



میں بھی اپنی حاجت طلب کرنا سوائے وسیلہ پیش کرنے کے اور کوئی بختہ ذریعہ تلاش کرنے کے بغیر صحیح نہ ہوگا۔ اور اس سخی لاپرواہ خدا کے دربار میں بہترین تحفہ یہی ہے، کہ ارواحِ عباد اللہ صالحین کو وسیلہ بنایا جائے۔

مگر مخالفت کہتے ہیں کہ جس وسیلہ پیش کرنے کا حکم قرآن مجید میں ہے اس سے مراد صرف اعمالِ صالحہ ہی ہیں کسی کی شخصیت وسیلہ نہیں ہو سکتی اور ثبوت میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے اعمالِ حسد کو پیش کر کے دعا مانگی تھی۔ اور وہ دعا منظور بھی ہو گئی تھی۔

اور ہم جواباً کہتے ہیں کہ توسل جس طرح اعمال سے جائز ہے۔ اسی طرح خدا کے نیک بندوں سے بھی صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قحط پڑ گیا تھا۔ تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا تھا۔ درحقیقت کسی نیک بندے کا توسل پیش کرنا اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے نیک عمل پیش کئے جاتے ہیں۔ ورنہ ظاہری جسم پیش نہیں کیا جاتا تو اس لحاظ سے شخصی توسل بھی توسل بالاعمال بن جاتا ہے۔

## ۱۳ غائب کو ملانا

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کے نیک بندوں میں سے کسی ایک کی روح کو پکارے اور یوں کہے کہ اے میرے مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری فریاد سی فرمائیے یا یوں کہے کہ اے میرے آقا فلاں شیخ میری مدد کیجئے۔ تو اسکی تشریح یوں ہے:-

کہ اگر اسکی مرا عجز ہے یعنی جب وہ نیک بندے کو پکارتا ہے تو مجازی طریق پر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ بھی جانتا ہے کہ خدا ہی دیتا ہے یا روکتا ہے۔ مگر عبد صالح درمیان میں وسیلہ ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقرب ہے اور میں اس امر کے لائق نہیں کہ خدا سے کوئی راز کی بات کہوں۔ تو یہ صورت جائز ہوگی کیونکہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہوتی ہے اور انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے۔

خدا دینے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کا عطیہ تقسیم کرنے والے ہیں اور یہ دستور چلا آیا ہے کہ فقیر اور محتاج تقسیم کرنے والے کے پاس اپنی ضرورت پیش کیا کرتے ہیں۔ اور اصل سخی کی خدمت میں پیش نہیں کرتے۔

اسی بحث سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ غائب کو پکارنا صحیح ہے یا ناجائز؟ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے کہ غائب کو پکارا جائے اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ غائب کے لفظ سے تہارا کیا مطلب ہے؟ آیا وہ آدمی جو نظر سے غائب ہو یا دل سے غائب ہو؟ اگر ہم نظر سے غائب مراد لیتے ہو تو خدا بھی نظر سے غائب



ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ، لَا تَذَرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُبْصِرُ رِكْطُ الْاَبْصَارِ ( پارہ ۷۔ سورۃ الغام۔ رکوع ۱۳) ”خدا کو نظر دریافت نہیں کر سکتی اور وہ بندوں کی نظر کو دریافت کر لیتا ہے۔“ تو کسی مخالف کو بھی یہ کہنا جائز نہ ہو گا کہ وہ کہے ”اے اللہ“

اگر مخالف کی مراد اس لفظ سے وہ غائب ہے جو دل سے پوشیدہ ہو تو خدا تعالیٰ تو ہر ایک کے قلب میں حاضر ہوتا ہے۔ اور کبھی غائب نہیں ہوتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر ایک مومن کے قلب میں حاضر ہوتے ہیں اور غائب نہیں ہوتے۔ پس مومن بھی اسی کو پکارتا ہے جو اسکے دل میں حاضر ہوتا ہے۔ اور دل کا حاضر نظر کے حاضر سے بالاتر اور مرغوب تر ہوتا ہے۔ تو کوئی ایسا غائب نہ رہا جس کو پکارنا وہ ناجائز سمجھتے ہیں۔

اور مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا تو مستجاب ہے مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی پکار نہیں سنتے، قابل غور ہے۔ یہ مقام اس پر بحث کرنے کا نہیں اور مسئلہ سماع موتی میں اسکی تفصیل گزر بھی چکی ہے۔ اگر بالفرض تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضور علیہ السلام کسی کی پکار نہیں سنتے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہ یا رسول اللہ اغثنی کافقرہ خدا سنتا ہے یا نہیں؟ یہ تو ناممکن ہے کہ خدا نہ سنے۔ تو جب وہ سنتا ہے کہ اس کا ایک بندہ اس کے حبیب اور برگزیدہ نبی علیہ السلام کو پکار رہا ہے اور اس کے اس رسول علیہ السلام سے فریاد کر رہا ہے جو مومنین پر کمال طور پر رحم دل ہے تو کیا خدا کا فضل یہ روانہ رکھے گا کہ اسکی مراد پوری کرے۔ پس اگر تم اسے مانتے ہو تو ہمارا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر انکار کرتے ہو تو کوئی صحیح دلیل پیش کرو۔

دیکھو ایک حدیث میں آیا ہے جو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں درج کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ جو شخص میرے مقرب دوست سے عداوت کرے، میں اُسے لڑائی کا اعلان کروں گا۔ اور میری بارگاہ میں انسان کے لئے تقرب کا وسیلہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ جو میرے فرائض میں ان کو وہ ادا کرے۔ اسی طرح میرا بندہ نوافل سے میرا مقرب بنتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں خود اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں تو وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے۔ اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ بتاؤ خدا کا بڑا مقرب اس کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام خدا کی سماعت سے سخت ہیں اور اسی کی بصارت سے دیکھتے ہیں۔ تو پکارنے والا خواہ قریب ہو یا بعید، آپؐ اس کی پکار کیوں نہیں سنیں گے؟ کیونکہ قرب و بعد کا فرق تو ہمارے متعلق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مشاہدہ وہ شخص کر سکتا ہے جسکی دونوں آنکھوں میں نور الہی کا سرمہ لگا ہوا ہو۔



## ۱۴۔ صالحین مقبروں کی زیارت

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قبورِ انبیاء و اولیاء کی زیارت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا بدعت ہے۔ اگرچہ وہ قبرِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ہو۔ بعض کہتے ہیں وہ شرک ہے بہر حال ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے۔

مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے تمام اُمتِ محمدیہ کو مشرک بنانے کی جرات کر لیتے ہیں۔ جو عہدِ رسالت سے لیکر اب تک چلی آئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ اور اس جماعت پر خدا کا لعنہ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص کسی مومن کو یہ لفظ کہے ”اے کافر“ تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کفر لیکر مرتا ہے۔ اس سے قطع نظر کر کے کہ زیارتِ قبور کے متعلق کئی ایک احادیث وارد ہیں۔ اور اہل علم کے تحقیقی قول بھی موجود ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ، **ذَلُّواْ اَنْفُسَهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرْ وَاللّٰهُ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لُوْحْدُوْا وَاللّٰهُ تَوَّابٌ حٰیْمًا** (پارہ ۵۔ سورۃ النساء۔ رکوع ۹) ”اے نبی جن لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا، اگرچہ وہ آپ کے پاس آجالتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور آپ خدا کے رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور خدا کو مہربان اور توبہ قبول کرنے والا پاتے۔“

اب تم بتاؤ کیا اس آیت میں خدا نے رسول کی زندگی کی شرط

لگائی ہے؟ جیسا کہ تم اسکی تاویل کرتے ہو یا یہ شرط لگائی ہے کہ آنے والا دور ہو یا نزدیک جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ نہیں نہیں یہ آیت عام مفہوم رکھتی ہے۔ خواہ زندگی میں کوئی آئے یا آپ کی وفات کے بعد پھر وہ خواہ قریب ہو یا بعید۔

قدیم اور موجودہ اُمت کا اتفاق ہے کہ زیارتِ قبور جائز ہے۔ اور قبورِ صلحاء کی ترغیب دینا بھی جائز ہے۔ کیونکہ زیارتِ قبور میں میت کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (کیونکہ اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور قرأتِ قرآن کا ثواب دیا جاتا ہے جس کی روح کو) اور زائر کو بھی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ ہوشیار ہو جاتا ہے۔ اور موت کی تیاری کرتا ہے۔ اور خدا کے نیک بندوں کی روحیں بارگاہِ الہی میں اسکی شفاعت کرتی ہیں۔

مگر جو کچھ جاہل و ہاں جا کر کہنے ہیں مثلاً قبر کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا۔ تو وہ بہر حال حرام ہوتا ہے۔ اور اہلِ علم کا فرض ہے کہ ان کو آدابِ زیارت کی تعلیم دیں اور اصل زیارت سے ممانعت نہ کریں کیا تم نہیں دیکھتے کہ حیبِ نابینا مسجد میں اگر غارِ پڑھتا ہے اور قبلہ رخ نہیں ہوتا، تو دیکھنے والے کا کیا یہ فرض ہوتا ہے کہ اُسے بتائے اور اس کا رخ قبلہ کی طرف کرے یا یہ فرض ہو گا کہ وہاں اسے نماز سے روک دیں؟

مگر ان کی یہ دلیل کہ حدیث میں ہے کہ تین مسجدوں کے بغیر کسی اور مقام کی طرف سواری پر سفر نہ کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مساجد سے مخصوص ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایات میں مسجد کا صاف لفظ موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی طرف شدہ حال یعنی سفر نہ کیا جائے سوائے تین مساجد کے اور تجارت اور جہاد وغیرہ کی طرف سفر کرنا



خود شرع شریف میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا انکار بہت دھرم بیوقوف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

دیکھو خدا کا حکم ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ۔ اور مقام ابراہیمؑ صالحین کے آثار میں سے ہے۔ توجیب ایسے آثارِ صالحین میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے تو ان کے مزارات کے متعلق تمہارا ممانعت کے لئے کیا خیال ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے مزارات شریف نمازی کے قبلہ کی طرف نہ ہوں۔

# ۱۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفاعت کرنا

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ شفاعت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ شفاعت ناممکن ہے۔ کیونکہ شفاعت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ شافع وجیہ ہو۔ یا خدا کا محبوب ہو۔ اور یہ دونوں امر خدا کے یہاں محال ہیں۔ تیسری صورت شفاعت بالاذن کی ہے۔ اور یہ گونفی شفاعت کے برابر ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے ہوگی نہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ اور چند صغیرہ گناہ والوں پر خدا خود ہی رحم کر دے گا جبکہ توبہ اور ندامت ان کے ساتھ ہوگی۔ تو خدا بھی کسی سبب کے بغیر ان کو معاف نہیں کرے گا۔ لیکن جسے چاہے معاف کر دیگا اور جسے چاہے گا شفاعت کی اجازت دیگا۔ (ان کا عقیدہ یہاں ختم ہوا)

مگر میں پہلے تو یہ کہتا ہوں کہ وجیہ اور محبوب کی شفاعت محال نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک بلکہ ضروری ہے۔ (نہ اس لئے کہ خدا ترفع سے ڈرے گا اور نہ اسلئے کہ خدا اپنے محبوب کو ناراض کرنے سے دردمند ہوگا) بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے محبوب اور اپنے خاص بندوں پر خاص فضل و کرم کرے گا۔

دوم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجاہت بارگاہ الہی میں از روئے قرآن ثابت ہے اور آپ کی محبوبیت بھی ثابت ہے۔ ارشاد ہے کہ، الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ (پارہ ۳ - سورة العمران - رکوع ۵) ”و عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں وجیہ ہیں اور مقربین بارگاہ الہی میں سے ہیں۔“ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ، فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ



عِنْدَ اللَّهِ وَجِئْهُمَا ۝ ( پارہ ۲۲ - سورۃ اہزاب - رکوع ۹ ) ”جو الزام مخالفین دیتے تھے اس سے خدا نے آپ کو بری کر دیا اور آپ خدا کے دربار میں وجہ تھے۔“

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجہ اور مقرب بارگاہ الہی ٹھہرے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرتبہ کے سب سے بڑھ کر خدا رہوں گے۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ آپ پر خدا کا فضل بہت بڑا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ، قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

( پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۴ ) ”آپ فرمادیں کہ اے مومنین اگر تم خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ تب خدا تعالیٰ تم کو بھی اپنا محبوب بنالے گا۔“ خیال کرو کہ جب تابع محبوب الہی ہو تو مقبوع کیوں محبوب الہی نہ ہو گا۔ حالانکہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا خطاب محبوب الہی ہے۔ جو جب آپ کی وجاہت خدا کے دربار میں ثابت ہے اور خدا کی محبت بھی ثابت ہے تو آپ کی شفاعت کے منظور ہونے میں کیا کسر باقی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے خاص طور پر شفاعت کرنے کا مرتبہ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ، وَمِنْ اٰیٰتِیْ فَتَہْجَدُ بِہٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰی اَنْ یَّتَّبِعَتْکَ رَّبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ( پارہ ۱۵ - سورۃ بنی اسرائیل - رکوع ۹ )

”عنقریب خدا آپ کو مقام محمود پر پہنچا دیگا۔“ اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ مقام محمود سے مراد شفاعت کبرئے اور عام شفاعت کا مرتبہ

اب رہی شفاعت کی تیسری قسم تو اس کے متعلق ہم یوں کہتے ہیں کہ شفاعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی کیلئے استغفار اور طلب مغفرت کی جائے اور یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا ہوا ہے کہ اپنی اپنی اُمت کیلئے خدا سے مغفرت طلب کریں۔ چنانچہ حسب الحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام دست بدعا ہو کر فرماتے ہیں کہ، رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَالْوَالِدَيْنِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (پارہ ۱۳ - سورۃ ابراہیم - رکوع ۶) ”اے ہمارے رب مجھے بخش میرے والدین کو بخش اور مومنین کو بخش، جس دن کہ حساب کا محکمہ قائم ہوگا۔“ جناب موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ، اَنْتَ وَلِيْتَنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغَفِرِيْنَ (پارہ ۹ - سورۃ اعراف - رکوع ۱۹) ”یا اللہ تو ہی ہمارا سرپرست ہے ہماری مغفرت کر اور ہم پر رحم کر اور تو تمام مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے۔“ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے کہ، اِنْ تَعَذَّبْ بِهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۷ - سورۃ مائدہ - رکوع ۱۶) ”یا اللہ اگر میری اُمت کو تو عذاب کرے تو کوئی چارہ نہیں، کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو اُن کو معاف کر دے تو یہ تیری شان کے شایان ہے کیونکہ تو عزت و حکمت کا مالک ہے۔“ دیکھو آپ نے کن نرم لفظوں میں مغفرت طلب کی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ، وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (پارہ ۱۱) سورۃ توبہ - رکوع ۱۳ ”اپنی اُمت پر نماز جنازہ اور دعائے خیر کرو، کیونکہ آپ کو دعائے خیر اُن کیلئے باعث تسکین ہے۔“ پس یہی حکم امر اور اذن بالشفاعۃ



ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ، وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا

تَجِيبًا ۵ (پارہ ۵ - سورۃ النساء - رکوع ۹) ”جب انہوں نے اپنی جان

پر ظلم کیا ہے، پس اگر آپ کے پاس آجاتے، اور خدا سے معافی مانگتے اور آپ بھی بحیثیت رسول اللہ ہونے کے ان کے واسطے معافی مانگتے تو وہ ضرور دیکھتے

کہ خدا تعالیٰ بڑا مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام کے

استغفار کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی اُمت کے لئے شفاعت کریں۔ چنانچہ خدا

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ، وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ

وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ مَا يَعْلَمُ مُسْتَلْبِكُمْ وَمَثْوَاهُمْ

(پارہ ۲۶ - سورۃ محمد - رکوع ۲) ”اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی طلب

کرو اور زن و مرد اہل ایمان کے لئے مغفرت طلب کرو۔ کیونکہ خدا کو تمہارے

حرکات و سکنت سے خوب واقف ہے۔ پس امر بالاستغفار ہی اذن بالشفاعت

ہے اور اذن بھی بڑے زور کا ہے۔ کیونکہ امر کرنا اذن دینے سے زیادہ زور دار

ہوتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھو کہ خدا نے ان مسلمانوں کی تعریف بھی

کی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ،

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا

الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (پارہ ۲۸ - سورۃ حشر - رکوع ۱)

”جو اہل ایمان بعد میں آئے وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں

کو بھی بخش دے جو ہم پہلے ایمان لائے ہیں“ پھر ارشاد ہے کہ، وَلَسَوْفَ

يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (پارہ ۳۰ - سورۃ والنصر - رکوع ۱)

”اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں

گے اور خدا کا وعدہ سچا ہے۔ ” اس میں خلافتِ وعدہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس نے خود کہا ہے کہ ، وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ (پارہ ۱۷ - سورۃ الحج - رکوع ۶) دو اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافتی نہیں کرتا۔ اسی وعدہ پر ہجرت کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے (فعل ماضی کے لفظوں میں) کہ مجھے شفاعت کا عطیہ دیا جا چکا ہے۔

ہم پھر پوچھتے ہیں کہ اہل ایمان کیا تم اپنی نمازیں یہ دعا نہیں کیا کرتے کہ یا اللہ مجھے بخش ، میرے والدین کو بخش اور قیامت کے دن مسلمانوں کو بھی بخش۔ اب بتاؤ تم کو دعائے مغفرت کیلئے کس نے اجازت دی ہے کہ تم والدین اور مسلمانوں کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہو؟ یہ بھی بتاؤ کہ کیا یہی طلب مغفرت شفاعت نہیں ہے؟ پس اگر تم یوں کہو کہ خدا نے ہمیں اجازت بخشی ہے تو ہم پوچھیں گے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمکو تو شفاعت کی اجازت ہو تاکہ تم اہل ایمان کے لئے طلب مغفرت کرو اور خدا نے اپنے حبیب اور برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت نہ بخشی؟ اگر تمہارے پاس کچھ صداقت ہے تو اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کرو۔

اب رہا ان کا یہ قول کہ اہل قبائر کیلئے شفاعت نہ ہوگی اور نہ ان کیلئے جو گناہ صغیرہ پر مداومت کرتے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ یہ قول خدا پر ہمتان اور زبردستی کا حکم ہے۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ بیشک خدا تمام گناہ بخش دیتا ہے ہاں خدا تعالیٰ یہ گناہ نہیں بخشے گا کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے بغیر جے چاہے جو گناہ بھی ہوں سب بخش دے گا۔ اور شفاعتِ کبریٰ قیامت کے دن دہی ہوگی جو تمام مخلوق کی ہوگی۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ، عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (پارہ ۱۵)



سورۃ بنی اسرائیل - (رکوع ۹) اے نبی خدا تعالیٰ عنقریب آپ کو مقام محمود پر پہنچا دے گا، اور یہ شفاعت کبریٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی حصہ میں ہے۔ اور آپ سے مختص ہے۔

پہلے مخالفین کا یہ کلام کہ اذن الہی کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کریگا اور ان کا اس آیت سے دلیل پکڑنا کہ، مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (پارہ ۳ - سورۃ البقرہ - رکوع ۲۴) "کون وہ ہے کہ بلا اجازت خداوندی اللہ کے پاس کسی کی سفارش کرے۔" یہ دونو امر صحیح ہیں اور انہیں ذرا بھرتشک نہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذن بالشفاعۃ ہو چکا ہوا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر امر بالشفاعۃ بھی نافذ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ، وَهَلْ عَلَيْهِمْ أَنْ صَلَوَاتُكَ سَكُنَ لَهُمْ (پارہ ۱۱ - سورۃ توبہ - رکوع ۱۳) "آپ ان کے لئے دعائے خیر کریں کیونکہ آپ کی دعائے خیر ان کے واسطے تسکین ہے" چنانچہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَاسْتَغْفِرْ لَذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (پارہ ۲۶ - سورۃ محمد - رکوع ۷)

"زن و مرد اہل ایمان کیلئے آپ دعائے مغفرت کریں" اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا عطیہ دیا جا چکا ہے اور اس حدیث کے باقی اجزاء یہ ہیں کہ مجھے پانچ عظیم عطا ہوئے ہیں اور مجھ سے پہلے یہ کسی کو نہیں دیئے گئے۔ اول میرے رعب سے میری امداد کی گئی ہے۔ دوم یہ کہ تمام سطح زمین میرے لئے وضو اور نماز کی جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ سوم خاص مجھے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا ہے ورنہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو اس کا استعمال جائز نہ تھا۔ چہارم مجھے عام شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ پنجم یہ کہ میں تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا

گیا، ہوں۔ (یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے)

مخالفین کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ بلا وجہ معافی نہیں دے سکتا، بالکل غلط ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ پہلے تو یہ قول اُن عیسائیوں کے کلام سے بھی بڑھ کر معیوب ہے۔ جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا تیرا رب آسمان سے ہمارے لئے کھانا اُتار سکتا ہے؟ کیونکہ عیسائیوں نے خدا کی قدرت میں شک کیا تھا۔ ایسے انہوں نے سوالیہ فقرہ پیش کیا۔ اور ان لوگوں نے یقین کر لیا ہے کہ خدا کو قدرت ہی نہیں کہ اپنا حق بھی بلا وجہ معاف کر دے۔ دوم یہ کہ بندہ اپنا حق بلا وجہ معاف کر سکتا ہے بلکہ صرف کرم اور مہربانی سے معاف کر سکتا ہے اور ان کے نزدیک خدا کو یہ طاقت نہیں۔ حالانکہ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس سے کوئی چون و چرا نہیں۔ دیکھو یہ اُن کی توحید کا نتیجہ ہے۔ اور اپنے رب کی تعظیم کا ثمرہ ہے۔ نہیں نہیں، بلکہ وہ گمراہ ہو گئے۔ یا اللہ تو ہمارے دل کو اصلاح سے نہ پھیر، بعد اسکے کہ تو نے ہم کو سیدھی راہ دکھائی ہے۔



## ۱۶. مزاراتِ اولیاء اللہ پر عرس

مختلف فیہ مسائل میں سے عرسِ مشائخ اور میلادِ نبویؐ کا مسئلہ بھی ہے۔ جو مقررہ اوقات میں منائے جاتے ہیں۔ مخالفین کہتے ہیں یہ حرام ہیں۔ بوجہ یقین وقت کے اور مجالسِ میلادِ فعلیہ سے مشابہ ہیں۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر اصل حقیقت عرس کو ممنوع کہیں یعنی مساکین اور حاجتمندوں کو کھانا کھلانا تاکہ ایصالِ ثواب ہو۔ تو بہ کج بخشی ہوگی اور شرع کا خلاف ہوگا۔ کیونکہ خدا خود حکم دیتا ہے کہ، وَ اطْعِمُوا الْبَائِسَ وَالْمُعْتَزَّ

(پارہ ۱۷۔ سورۃ حج۔ رکوع ۵) ”سوال اور غیر سوالی حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ“، یہ بھی فرمایا کہ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتُفْسِقُوا إِمَّامًا ذَرْفُكُمْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنَّ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَّةٍ وَلَا شَفَاعَةً“ (پارہ ۳۔ سورۃ البقرہ۔ رکوع ۲۳)

”جو مال ہم نے تم کو دیا ہے۔ اس سے خرچ کرو اللہ کی راہ میں پیشتر اسکے کہ وہ دن آئے جمیں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستانہ کام آئے گا۔ اور نہ تمہارے کسی دوست کی سفارش کام آئے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ، وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ ذَنْفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ“

(پارہ ۳۔ سورۃ بقرہ۔ رکوع ۳۷) ”جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو یا نذر دیتے ہو، خدا اسے جانتا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَالْوَاكِلَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا مَّا تَقْدِمُوا لِنَفْسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا“ (پارہ ۲۹۔ سورۃ المزمل۔ رکوع ۲) ”نماز بلا ناغہ ادا

کرو اور زکوٰۃ دیا کرو، اور اللہ کو قربان حسنہ دو اور جو خیرات تم اپنے لئے پیش کی ہو  
گے اُسے خدا کے یہاں بہتر پاؤ گے اور اس کا ثواب بہت پاؤ گے۔“ یہ بھی  
فرمایا کہ، وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا  
أَسِيرًا (پارہ ۲۹ - سورۃ الدھر - رکوع ۱) ”مومن کھانا  
کھلاتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو اگرچہ ان کو خود اس کھانے  
کی خواہش ہو۔“

اگر مخالفین تعین وقت کی وجہ سے عرس کو حرام کہتے ہیں تو غلط  
ہے۔ کیونکہ تعین وقت امور مباح میں مضرب نہیں ہوتی۔ ارے تم یہ نہیں  
دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے یوم عاشوراء کے روزہ کا اپنی اُمت کو حکم دیا تھا اور  
شوال کے پھر روزوں کا بھی حکم دیا تھا۔ اور رات کو نماز تہجد کا حکم دیا تھا۔ اور  
صلوٰۃ اشراق کا اور صلوٰۃ ضحیٰ کا اور ان سب کے اوقات متعین ہیں۔ اور  
حکم دیا کہ پیدائش کے بعد ساتویں روز بچے کا عقیقہ دیا جائے وغیرہ وغیرہ  
ان سب میں آپ نے وقت مقرر کر دیئے ہیں اور تعین وقت عرس  
میں اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ بلا تکلف جمع ہو جائیں یا کریں۔ اس کے سوا  
کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔

اگر وہ اس لئے منع کرتے ہیں کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا تو یہ بالکل  
غلط ہے۔ نہ اسے عقل مانتی ہے نہ کوئی نفس تسلیم کرتی ہے۔ اور ہمارے اس  
مقصد (ایصالِ ثواب) کیلئے ام سعد کے کنوئیں کی حدیث کافی ہے کیونکہ  
غیر کے عمل کا ثواب پہنچانا بحالت حیات و موت دونوں صورتوں میں جائز  
ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا حکم ہو چکا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ قدرت نہ ہو تو غیر سے  
حج کرانے میں شرعی حکم وارد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام حجۃ الوداع  
میں مقام مزدلفہ سے واپس تشریف لارہے تھے تو ایک عورت نے یہی سوال کیا تھا۔



## ۱۷ میلاد النبی

مجالس میلاد اگرچہ موجودہ شکل میں خیر القرون کے وقت موجود نہ تھیں۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور تمام اہل اسلام کا مشرق و مغرب میں معمول یہ ہے سوائے فرقہ نجدیہ غیر مقلدین کے اور یہ اصول ہے کہ جس امر مباح کو مسلمان متحسّن سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی متحسّن قرار پاتا ہے۔ اور مجالس میلاد میں یہی ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ذکر کیجاتی ہے یا آپ کی مدح میں شعر پڑھے جاتے ہیں اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا سنت صحابہؓ ہے بلکہ سنت نبویؐ ہے۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابت سے اپنے اشعار مدحیہ سنا کرتے تھے اور کعب بن زبیر اور سواد بن قارب وغیرہ سے بھی آپ نے اشعار مدحیہ سنے تھے۔ اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذکر میلاد اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا ممنوع یا برا ہے اور فعل یہود ہے وہ شخص خود برا ہے اور رائدہ دغاہ نبویؐ ہے۔

اب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ سے ذکر میلاد کو منع کرتے ہیں اور مجالس میلاد کے علاوہ دیگر نوپیدا امور کو کیوں منع نہیں کرتے مثلاً مسافر خانوں کا بنانا یا مساجد کا سجانا، بیل بوٹے سے یا قرآن مجید کو سنہری حروف سے لکھنا یا علوم عقلیہ مروجہ کا تعلیم دینا یا عربی علوم کی تعلیم مثلاً صرف، نحو، فلسفہ، ریاضی وغیرہ یا زمانہ حال کے مروجہ لباس کا استعمال

یا مختلف قسم کے کھانے تناول کرنا۔ جب اصل میں یہ سب مباح ہیں وہ ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتے مگر ذکر میلاد جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ ہوتا ہے یا معجزات اور خرق عادات بیان ہوتے ہیں۔ جو آپ کی ولادت کے وقت رونما ہوئے تھے تو اسے حرام یا بدعت جانتے ہیں شاید ممانعت کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ ہم حضور علیہ السلام سے اظہار محبت کرتے ہیں اور بس خوب!۔



# ۱۸ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آنا

ان مسائل میں سے حضور علیہ السلام کے تصور کا بھی مسئلہ ہے۔ جو نماز میں بلا اختیار آجاتا ہے۔ مخالفین کے امام کا قول ہے کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا نمازی کے اپنے جانوروں کے خیال سے بھی بدتر ہے۔ اور اس مقام پر اس نے ایک بدترین جانور کا ذکر کیا ہے۔ مگر میں جرأت نہیں کر سکتا کہ اس بُرے جانور کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے مقابلہ پر ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کروں۔ اور ان کا یہ عقیدہ بدترین ج عقائد میں سے ہے۔ ایسے عقائد سے خدا بچائے۔ تعجب ہے کہ پھر یہ لوگ حضور علیہ السلام کو فخرِ عالم بھی کہتے ہیں۔ مگر تم سوچو کہ جب فخرِ عالم کا ان کے نزدیک یہ حال ہے تو دوسرے انہی اوصالحین کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ سے بارگاہِ الہی میں کم درجہ پر مقرب ہیں۔ وہ بتائیں کہ جب وہ نماز میں واتخذ اللہ ابواہیم خلیلاً پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصور کو کیا سمجھتے ہیں۔ یا جب کَلَّمَ اللہُ موسیٰ علیہ السلام پڑھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تصور کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت پڑھتے ہیں کہ کَانَ وَجِہَا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ تو آپ کے تصور کو کس قدر وقعت میں جانتے ہیں۔ ان پر ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ سارا قرآن تو حضور علیہ السلام کی تعریف سے پُر ہے۔ اور آپ کی تعریف بیان کرتا ہے۔ یا آپ کا قرب الہی اور محبت الہی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اطِیْعُوْا اللہَ وَاطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ مَنْ یُّطِیْعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللہَ۔

(پارہ ۵ - سورۃ النساء - رکوع ۸ اور ۱۱) ”تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی خدا کی اطاعت کرتا ہے۔“ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمُ اللّٰهُ (پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۴) ”اُپ کھدیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔“ اور یہ بھی فرمایا کہ، ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِدًا وَمُنْشِرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ يَٰذَا ذِي الْقُرْبَىٰ وَسِدْرًا جَٰمِئًا“ (پارہ ۲۲ - سورۃ احزاب - رکوع ۶) ”وہ کہ نبی ہم نے اُپ کو اُمت کا نگرانِ حال اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلائیوالا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیا ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ، ”لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا“ (پارہ ۱۸ - سورۃ النور - رکوع ۹) ”تم رسول علیہ السلام کا بلاوا اپنے باہمی ایک دوسرے کے بلاوے کی مانند نہ بناؤ۔“ یہ بھی فرمایا کہ، ”لِيَتَّقُوْا رَبَّآلَّذِيْ ذُوْلُوْهُ وَقَعَرْدُوْهُ وَتَوْقَرُوْهُ“ (پارہ ۲۶ - سورۃ الفتح - رکوع ۱) ”تم رسول کی عزت و توقیر کرو۔“ قراب و دہلی بیچارہ کیا کرے اور کیسے اُکے تصور کو روک سکتا ہے۔ سخت افسوس ہے کہ خدا تو تعریف کرے اور قوم اُپ کی یہ عزت کرتی ہے۔ کہ نماز میں اُپ کے تصور کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے اور جانوروں کے تصور سے بھی بدتر جانتی ہے۔ پھر اس قوم نے اپنا نام کیا رکھا ہے؟ اہل حدیث! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جب حضور علیہ السلام کے خائف الرشید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصال ہوا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ اُپ ابتر ہو گئے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے جواب



دیا کہ، اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُّ ۝ ( پارہ ۲۰ - سورۃ الکوث - رکوع ۱ ) دو آپ ابتر نہیں بلکہ آپ کے دشمن ابتر ہیں۔ " ایک دفعہ آپ نے کچھ صحافرت تبلیغ اسلام کے لئے قریش کو بلا لیا تھا۔ تو ابولہب نے اخیر وعظ پر کہا تھا کہ کیا اسی کام کے لئے آپ نے ہمیں دعوت دی تھی۔ خدا کرے تم جلد تباہ ہو جاؤ۔ اس پر خدا ناراض ہوا اور اپنے حبیب کی طرف سے جواب دیا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں گے۔ اور وہ خود بھی تباہ ہوگا۔ اب نصف پسند طبائع سے مجھے امید ہے کہ وہ خود قول و ماہیہ اور قول ابولہب کا باہمی موازنہ کریں گے۔ ( قول و ماہیہ یہ ہے کہ غازی میں حضور علیہ السلام کا تصور فلاں بدترین جانور کے تصور سے بھی بُرا ہے۔ اور ابولہب کا قول یہ ہے کہ اے نبی تو تباہ ہو جائے ) اور بتائیں گے کہ کس کا قول زیادہ بُرا اور بدنم کرنے والا ہے، اور کس کا نہیں؟ ابولہب کو تو یہ سزا مل چکی کہ تَبَّالْکَ کہہ کر جہنمی ہو گیا۔ مگر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے ایسے گند لفظ کہے ہیں۔ افسوس وحی بند ہو چکی ہے ورنہ ابھی فیصلہ ہو جاتا۔ اب ان کا منہ کون توڑ سکتا ہے؟

یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ غازی کو تشہد میں یوں کہنا جائز نہیں کہ اے نبی آپ پر سلام ہو اور آپ پر خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو۔ بلکہ یوں غائب سمجھ کر کہے کہ ہمارے نبی پر سلام ہو۔ تاکہ حاضری اور خطاب کے لفظ سے بچ جائے۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کی روح مبارک حاضر ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب غائب کا لفظ اختیار کرنے سے آپ کی حاضری نہ ہوگی تو بتاؤ کہ جب غازی السلام علی النبی کہے گا اور غائبانہ لفظ سے آپ پر سلام و درود بھیجے گا تو آپ کا تصور پھر آئے گا؟ تعظیم و توقیر کی صورت

میں یا معاذ اللہ اہانت و تحقیر کی شکل میں۔ پس اگر وہ تصور عزت و توقیر کے ساتھ ہو گا تو وہ دہائیوں کا اصول ٹوٹ جائے گا کہ جو شروع مسئلہ میں مقرر کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا تصور مفید صلوٰۃ ہے اور گدھے کے تصور سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر معاذ اللہ تحقیر کے ساتھ اسے تصور کریں تو اسلام کی بنیاد ہی کو اکھاڑیں گے۔ خدا تعالیٰ مناسب راستہ کی ہمیں ہدایت کرے۔

---



# ۱۹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کیساتھ تعظیمی لفظ ”سیدنا“ بڑھانا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے پہلے سیدنا کا لفظ بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی بدعت ہے۔ خیر القرون کے وقت نہ تھی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ زمانہ تبدیلی سے محاورات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ کیا مولانا اور شیخنا و حضرتنا وغیرہ کے لفظ خیر القرون میں مستعمل تھے؟ حاکم موجودہ وقت میں جس ذی علم کو صرف نام سے پکارا جائے اور کوئی تعظیمی لفظ نہ بڑھایا جائے تو آنجناب ناک چڑھاتے ہیں اور اسے اپنی ہتک عزت جانتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر عزت و توقیر کے حقدار ہیں۔

کیا خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یوں نہیں فرمایا کہ آپ سید پاکدامن تھے اور نبی صالح تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنی آدم کا سید ہوں۔ اور سید کا لفظ مولیٰ کے معنی میں ہے بلکہ مولیٰ کا لفظ سید سے بھی اعلیٰ ہے۔ کیونکہ سید کا لفظ خدا پر استعمال نہیں ہوتا۔ اور مولیٰ کا لفظ خدا پر بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ، بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا۔ (پارہ ۲۶۔ سورۃ محمد۔ رکوع ۱) ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مالک اور مولیٰ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔“ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ، نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ (پارہ ۹۔ سورۃ الانفال۔ رکوع ۵) ”خدا تعالیٰ بہترین مالک اور بہترین مددگار ہیں۔“

## ۲۰. خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔ کہ آیا فعلِ خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ مثلاً کسی داتے کو یوں کہنا کہ یہ اللہ کی اور تمہاری مہربانی ہے۔ یا یوں کہنا کہ یہ چیز مجھے خدا اور خدا کے رسولؐ نے دی ہے تو جواب یوں ہے کہ ایسے محاور میں مجازی طریق استعمال ہوتا ہے اور حقیقی بھی تو فقرہ مذکور چھایہ معنی ہوا کہ اصلی طور پر تو خدا نے دیا ہے۔ مگر بظاہر تم نے دیا ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی سوال پوچھتے تھے اور صحابی جواب دینا گستاخی سمجھتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ اس کا جواب خدا اور خدا کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ اور اپنے اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے علم میں شریک کر دیتے تھے۔ اور اس جوابی فقرہ کو کسی نے بُرا نہیں منایا۔ دیکھئے ارشاد ہے کہ، **بِذَآءِةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ** (پارہ ۱۰۔ سورۃ التوبہ۔ رکوع ۱) **وَاللّٰهُ اَوْ اللّٰهُ** کے رسولؐ کی مشرکین سے بیزاری ہے، یہ بھی فرمایا کہ، **وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ** **اَحَقُّ اَنْ يُّؤْتُوْهُ**۔ (پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ۔ رکوع ۸) **وَرَانِ كُوْبَةُ** تھا کہ خدا اور خدا کا رسولؐ کو راضی کرتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، **وَمَنْ يُّطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا** (پارہ ۲۲۔ سورۃ احزاب۔ رکوع ۹) **وَرَاللّٰهُ اَوْ اللّٰهُ** کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ بڑی کلمیا پائے گا۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، **وَمَا نَقْمُوْا اِلَّا اَنْ اَعْنٰهُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ** **مِنْ فَضْلِهِ** (پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ۔ رکوع ۱۰) **مُتَالِفِيْنَ** کیا یہی بُرا مناتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے رسولؐ نے اہل مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے۔ اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں۔ مگر خلاصہ جواب یہ ہے کہ ایسے اشتراکی لفظوں سے عوام کو پنا چاہیے۔ کیونکہ وہ حقیقت و مجاز میں امتیاز نہیں کرتے۔



## ۲۱. معاذ اللہ، خدا کا جھوٹ بولنا

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ عذابی وعدہ میں جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور اس مسئلہ کا نام کج بختوں نے امکان کذب رکھا ہوا ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ ذاتِ خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہی ناجائز ہے اور وعدہ کر کے سزا نہ دینا اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے بلکہ وہ اصولِ اختیاری کی تبدیلی ہے۔ اور اس خود اختیاری تبدیلی کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا۔ کیونکہ جھوٹ ایک لعنت ہے جس سے انسان بھی نفرت کرتے ہیں۔ تو بھلا خدا تعالیٰ اس سے نفرت کیوں نہ کریں گے؟ پس قیامت کے دن عذاب کے بجائے مغفرت کا استعمال کرنا خدا کا رحم اور مہربانی ہوگی۔ اسے کذب نہیں کہنا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ، **بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحَيِّطُوا بِهِ**۔

(پارہ ۱۱ - سورۃ یونس - رکوع ۴) ”کافر اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جسے وہ خود پورے طور پر نہیں سمجھ سکے۔“ پھر ارشاد ہے کہ، **وَيَقُولُوا نَحْنُ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ** (پارہ ۲ - سورۃ آل عمران -

رکوع ۸) ”وہ جانتے ہیں اور جان بوجھ کر خدا پر افترا کرتے ہیں۔“ ان آیات میں جھوٹ کی لعنت کو خدا تعالیٰ نے کفار کے حق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ انکی عادت ہے۔ پس مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس لعنت کو اپنے خدا سے نسبت دے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جرائم پیشہ گرفتاروں کو حاکم جس دامن یا قتل کی سزا دیتے ہیں۔ مگر کسی خاص مقرب کی سفارش سے یا اپنی خاص رحم دلی سے

یا رحم کی درخواست پر انکو معافی بھی دیدیتے ہیں۔ اور رہا کرتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں ان حکام کو وعدہ خلافت یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس معافی کا نام ذاتی اختیار کا استعمال ہے۔ اور احسان اور کمال مہربانی ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس رحیمانہ سلوک خداوندی کو جو وہ اپنے مجرم بندوں کے حق میں استعمال کرے گا کذب کا عنوان دیتا ہے وہ خود خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس شخص سے بڑھکر اور کون زیادہ ظالم ہو سکتا ہے۔ جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ظالموں کی نجات نہ ہوگی۔ مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں تو جھوٹ پر کیوں قادر نہ ہوگا (جواب) بیشک صیحح ہے لیکن قدرت الہینا ممکن اور نامنا سببے کی طرف متوجہ نہیں ہوا کرتی چنانچہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا۔ اور اسی طرح کے اور نا واجب کام نہیں کرتا۔ پس ایسے بکواسات سے انسان کا فرض ہے کہ اپنی زیان کو روک رکھے۔



## ۲۲ اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا

ان مسائل میں سے استمداد کا مسئلہ بھی ہے جو صلحاء کی روحوں سے کی جاتی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے اور جو اللہ کے سوا کسی اور سے استمداد کرتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر دو طریق سے بحث ہے۔ اول صرف استمداد اور عدم استمداد پر، دوم استمداد سے نفع یا عدم نفع پر۔

نفس استمداد یعنی کسی سے امداد طلب کرنا۔ تو وہ زندوں سے عام طور پر حاصل کی جاتی ہے۔ اور کثیر الاستعمال اور مشہور ہے۔ چنانچہ مخالف بھی دنیاوی امور میں (مثلاً تعمیر مدارس، تبلیغ مذہب و ملیہ، اور اجرائے اخبارات) میں لکے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ تو اگر صرف استمداد ہر طرح سے شرک ہے۔ تو مخالف خود شرک کر رہے ہیں۔ اور نفس استمداد میں ہمارے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وہ فانی جموں سے استمداد کرتے ہیں۔ اور ہم پاک اور غیر فانی ارواح سے استمداد کرتے ہیں۔

اب۔ یا استمداد سے نفع، تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اگر چاہے تو ہم کو ارواح طیبہ نفع دیتے ہیں۔ اور ان کو فانی صیم نفع دیتے ہیں۔ اگر وہ نہ چاہے تو نہ ہم کو ان سے نفع ہوتا ہے نہ ان کو۔ اب اگر وہ یوں کہیں کہ ہم تو زندوں کے بدن سے استمداد کرتے ہیں اور تم مردوں کی روحوں سے استمداد کرتے ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ دراصل تم بھی ارواح سے ہی استمداد کرتے ہو۔ کیونکہ درحقیقت دینے والا روکنے والا روح ہی ہے۔ خواہ وہ جسم سے خارج ہو یا اس میں داخل ہو۔

## ۲۲ بچوں کے نام انبیاء و اولیاء سے منسوب کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام یا صلحاء اُمت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مگر مخالف اس شخص پر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جو اپنے بچوں کا نام نبی بخش، رسول بخش یا غلام محمد یا غلام صدیق یا اسی قسم کا اور نام رکھے۔ کیونکہ اولاد دینے والا خدا ہی ہے۔ اور یہ جائز نہ ہو گا کہ اپنے بچے کا نام غیر اللہ کی طرف منسوب ہو اور غلام عبد کے معنی میں ہے۔ اور ہم سب عباد اللہ ہیں۔ اور عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف جائز نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ مان لیا کہ معطی اور مانع در حقیقت خدا ہی ہے مگر تاہم عطیہ کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا مجازی طور پر جائز ہوتا ہے۔ کیوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آ کر یوں کہا تھا کہ تم کو پیار سا لڑکا بخشنے آیا ہوں۔ اور یوں نہیں کہا تھا کہ اسنے آیا ہوں کہ خدا تم کو لڑکا بخشے گا۔ جو پیار سا ہو گا۔ تو جب جبرائیل علیہ السلام لڑکا دے سکتے ہیں تو کیوں حضور علیہ السلام کی طرف یہ عطیہ منسوب کرنا مجازی طور پر جائز نہ ہو گا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قول جبرائیلؑ تو امر الہی تھا اور تم کو کس نے حکم دیا ہے۔ تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک قول جبرائیلؑ امر الہی تھا۔ مگر اس نے ہمارے واسطے جواز کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اب رہا لفظ غلام تو اگرچہ وہ فارسی محاورہ میں عبد کے معنی میں ہے۔ تاہم اپنے بچوں کو صلحاء کے غلاموں کے ساتھ تشبیہ دینے میں کیا قباحت ہوگی۔ اور صلحا سے مراد نبی ہیں۔ اور صحابہؓ اور ائمہؒ کے نیک بندے۔



کیا ان کے پاس خود اپنے غلام نہ ہوتے تھے یا انکو اپنی ذات سے منسوب نہ کرتے تھے؟۔ اور یوں نہ کہتے تھے کہ اے میرے بندے اور اے میری لونڈی کیا خدا نے ان کو ان سے منسوب نہیں کیا کہ، **وَالْكُفُّواْ اِلَّا يَأْمُرُ بِمَنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ** (پارہ ۱۸- سورۃ النور۔ رکوع ۴) ”تم اپنے بندوں اور اپنی بندگیوں کے نکاح کرادیا کرو۔“ پس حقیقت میں تمام غلام اور تمام آزاد لوگ خدا کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقاؤں کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں قرآن مجید میں کثرت کیساتھ حقیقت و مجاز کا استعمال ذکر کر دیا ہوئے ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لوگوں کے بچے حقیقت میں اللہ کے بندے ہیں اور صلحائے امت کے مجازی طور پر بندے ہیں یہ ہماری تحریر کا آخری مقام ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔

یا اللہ میں نے اس تحریر سے اور کوئی ارادہ نہیں کیا سوائے اسکے کہ مسلمانوں کے عقائد کجروی اور گمراہی سے درست ہوں۔ پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں تیرا احسان اور فضل ماننا ہوں۔ تو اس سے اپنے مومن بندوں کو نفع دے اور اگر یہ تحریر غلط ہے تو یہ غلطی میرے نفس سے سرزد ہوتی ہے۔ اسلئے میں تجھ سے معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں یا اللہ میں حق بات کو حق کر کے دکھلا اور حق کی اتباع ہماری قسمت میں کر اور باطل کو ہمیں بھی باطل کر دکھلا اور ہمیں اس سے پرہیز بخش۔ **وَصَلَّى اللہ علی سیدنا محمد خیر خلقہ و نور عرشہ و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ و صالحی امتہ اجمعین۔ امین یارب العلمین۔**

تحریر رسالہ ہذا بروز دوشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ بمطابق  
ختم ہوئی۔

## اللَّهُمَّ تَنْجِينَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَواتُكَ  
تَنْجِينَا بِهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَهْوَالِ وَالْأَفَاتِ  
وَتَقْضِي لَنَا بِهَا جَمِيعَ الْحَاجَّاتِ وَتُطَهِّرُنَا  
بِهَا مِنْ جَمِيعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ  
أَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا أَقْصَى الْغَايَاتِ  
مِنْ جَمِيعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيَوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ  
إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ